کلیات

عشق آباد

عباس تابش

ebooksgallery.com

(کلّیات)

عشق آباد

(تمہید۔ آسمان۔ مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا۔ پروں میں شام ڈھلتی ہے۔ رقص درویش)

عباس تابش

الحمد پبلی کیشنز

رانا چیمبرز۔ سیکنڈ فلور۔ (چوک پرانی انار کلی)۔ لیک روڈ۔ لاہور

☎ 37231490 - 37310944

عشق آباد کا سفر نامہ
رانیگانی بنامِ گریہ ہے

فیصل عجمی

ebooksgallery.com

ہماری کتابیں......

خوبصورت، معیاری اور

کم قیمت کتابیں

تزئین و اہتمام اشاعت

صفدر حسین

alhamd_publication@yahoo.com

ضابطہ:-

اشاعت : فروری 2011ء

مطبع : حاجی حنیف پرنٹرز لاہور

سرورق : ریاظ

تصویر : اعجاز انجم

قیمت : 700 روپے

ماں کے نام

ایک مدت سے مری ماں نہیں سوئی تابش

میں نے اک بار کہا تھا مجھے ڈر لگتا ہے

ebooksgallery.com

فہرست

تمہید

	تمہید	خالد احمد	۳۱
	عباس تابش	ڈاکٹر محمد یونس بٹ	۳۷
1	حمدیہ (نظم)		۴۱
2	نعتیہ شعر		۴۳
3	باغِ جناح (نظم)		۴۵
4	پسِ دعا نہ رہیں کیوں اُداسیاں میری		۴۷
5	میں اُس کی آہٹیں چن لوں میں اس سے بول کر دیکھوں		۴۹
6	تیری آنکھوں سے اپنی طرف دیکھنا بھی اکارت گیا		۵۱
7	نقش سارے خاک کے ہیں سب ہنر مٹی کا ہے		۵۳
8	ابھی سے لائے ہو کیوں دل کی راہ پر اس کو		۵۵
9	احمد ندیم قاسمی کے لیے ایک نظم		۵۷
10	چشمِ نم دیدہ سہی خطۂ شاداب مرا		۵۹
11	چراغِ صبح جلا کوئے ناشناسی میں		۶۱
12	چاند کا پتھر باندھ کے تن سے اُتری منظر خواب میں چپ		۶۳
13	کس دستِ کماں دار کی تدبیر سے پہنچا		۶۵
14	انسان تھا آخر تو مرا رب تو نہیں تھا		۶۷
15	راتیں گزارنے کو تری رہگذر کے ساتھ		۶۹
16	اسے میں نے نہیں دیکھا (نظم)		۷۱
17	یہ دن بھی تمام کر رہا ہوں		۷۳
18	نوچ کے سارے پھول طلب کے آس کی شاخیں توڑ کے		۷۵
19	اب ادھورے عشق کی تکمیل ہی ممکن نہیں		۷۷
20	فقط مال و زر دیوار و در اچھا نہیں لگتا		۷۹

Special Thanks
To
Babur Suhail

ebooksgallery.com

21	مہ رخ جو گھروں سے بھی باہر نکل آئے	۸۱
22	خالد احمد کے لیے ایک نظم	۸۳
23	اسی لیے تو یہ شامیں اجڑنے لگتی ہیں	۸۵
24	سانس کے ہمراہ شعلے کی لپک آنے کو ہے	۸۷
25	اب ہوائیں کسی محمل پہ نہ لادی جائیں	۸۹
26	نکلو نہ ابھی پھول سی پوشاک پہن کر	۹۱
27	در افق پہ رقم روشنی کا باب کریں	۹۳
28	میں اس کی راہ میں جب شکل رہگذر بیٹھا	۹۵
29	خود کلامی (نظم)	۹۷
30	ایک مشکل سی بہر طور بنی ہوتی ہے	۱۰۱
31	ہوا سے بھی عجب بام و در بناتے ہیں	۱۰۳
32	پیڑوں میں شام جلتی ہے (نظم)	۱۰۵
33	دہن کھولیں کہ اپنا سچ یہاں آہستہ آہستہ	۱۰۷
34	عجب سودائے وحشت ہے دل خود سر میں رہتا ہے	۱۰۹
35	یہ تو نہیں فرہاد سے یاری نہیں رکھتے	۱۱۱
36	پاگل (نظم)	۱۱۳
37	یوں تو شیرازہ جاں کر کے بہم اٹھتے ہیں	۱۱۵
38	مرے بدن میں لہو کا کٹاؤ ایسا تھا	۱۱۷
39	دریا کی طرح جاری و ساری بھی نہیں ہم	۱۱۹
40	ادھوری نظم	۱۲۱
41	بچھڑ کے ہم سے جو کھوئے گئے ہیں راہ کے بیچ	۱۲۳
42	صبح دم بھی صبح کا منظر کہاں ہے سامنے	۱۲۵
43	ہفت جہت شمار کا اہتمام ہی سہی	۱۲۷
44	رمز گر بھی گیا رمز داں بھی گیا	۱۲۹
45	وحشتوں میں چاک سا چکر کہاں	۱۳۱
46	اب بھی نہ بولنے کے آثار تو نہیں ہیں	۱۳۳
47	دل دکھوں کے حصار میں آیا	۱۳۵

48	بدن کے چاک پہ ظرف نمو تیار کرتا ہوں	۱۳۷
49	پکڑا ہے کوئی ہاتھ نہ دھرتی میں گڑے ہیں	۱۳۹
50	یہ ہم جو رنج بصورت ہزار کھینچتے ہیں	۱۴۱
51	تیسویں سالگرہ پر ایک نظم	۱۴۳
52	یہ ہم کو کونسی دنیا کی دھن آوارہ رکھتی ہے	۱۴۵
53	تیری روح میں سناٹا ہے اور مری آواز میں چپ	۱۴۶
54	چوبی رخنوں سے چھنتی رہی روشنی وہ دریچہ کھلا اس دفعہ بھی نہیں	۱۴۷
55	یہی تو ایک خوش فہمی مجھے حیران رکھتی ہے	۱۴۹
56	یہ کس خیال میں کیا پیڑ پر کریدا گیا	۱۵۱
57	نیندوں کا ایک عالم اسباب اور ہے	۱۵۳
58	یہ بادلوں میں ستارے ابھرتے جاتے ہیں	۱۵۵
59	ابھی اس کی ضرورت تھی (نظم)	۱۵۶
60	پیش آتے ہیں کچھ ایسے اپنی حیرانی سے ہم	۱۵۸
61	یہ کس کے خوف کا گلیوں میں زہر پھیل گیا	۱۵۹
62	یہ کرشمے بھی ہوئے حسن کی بوچھاروں سے	۱۶۱
63	دشت حیرت میں سہیل تشنگی بن جائیے	۱۶۳
64	یوں تو ہر شخص عبادت کے عمل سے نکلا	۱۶۴
65	اندیشۂ وصال کی ایک نظم	۱۶۵
66	یہ سب میسر و موجود کا گماں ہی نہ ہو	۱۶۷
67	تجمل سے کیا ربط نکالیں کشتی کی تقدیروں کا	۱۶۹
68	کوئی اندیشہ یہ محراب بھی میرا نہیں	۱۷۱
69	نگاہ اولیں کا ہے تقاضا دیکھتے رہنا	۱۷۳
70	مجھے رستہ نہیں ملتا (نظم)	۱۷۵
71	تہمت لگا کے کام کی خوئے شمار پر	۱۷۷
72	گزرے ہوئے دنوں کا خیال آ گیا تو بس	۱۷۸
73	براہ سیر تماشائے صد جنوں ہی سہی	۱۷۹
74	بدن دریدہ غموں سے نڈھال رقص میں ہے	۱۸۱

ebooksgallery.com

75 صدائے ذات کے اونچے حصار میں گم ہے ۱۸۳
76 بچپن کا دور عہدِ جوانی میں کھو گیا ۱۸۴
77 ہر چند تری یاد جنوں خیز بہت ہے ۱۸۵
78 چہرہ دونوں کو حسبِ ہنر چاہیے ۱۸۷
79 مجھ تہی جاں سے تجھے انکار پہلے تو نہ تھا ۱۸۹
80 چاند نے ابر میں چہرے کو چھپا رکھا ہے ۱۹۰
81 گرفتِ خاک (نظم) ۱۹۱
82 ٹکرائیں گے پتھر سے گراں بار چلیں گے ۱۹۳

آسمان

83 تخت سرائے سے ایک خط — عباس تابش ۱۹۸
84 یہ عجب ساعتِ رخصت ہے کہ ڈر لگتا ہے ۲۰۷
85 عشق ہی کارِ مسلسل ہو گیا ۲۰۹
86 مکاں بھر ہم کو ویرانی بہت ہے ۲۱۱
87 طلسمِ خواب سے میرا بدن پتھر نہیں ہوتا ۲۱۳
88 قصیدہ سر نہیں ہوتا میں خودداری کے موسم میں ۲۱۵
89 ہمیں بچھاڑ کے کیا حیثیت تمہاری تھی ۲۱۷
90 پرندے پوچھتے ہیں تم نے کیا قصور کیا ۲۱۹
91 بیان اپنی حقیقت کر رہا ہوں ۲۲۰
92 ہمیں تو خاک پہ حکمِ سفر دیا اس نے ۲۲۱
93 کہیں چراغ کہیں چشمِ تر حوالہ ہے ۲۲۳
94 یہ جو اس سے مجھے محبت ہے ۲۲۵
95 اس کا خیال خواب کے در سے نکل گیا ۲۲۷
96 دیوار ہے کسی کی دریچہ کسی کا ہے ۲۲۹
97 پھر بھٹکتا پھر رہا ہوں ہجر موسم کے لیے ۲۳۱
98 ساحلوں پہ مشک کو بھر پھینک دے ۲۳۳
99 زمیں کے نیچے کوئی شے تھی آسماں کی طرح ۲۳۵

100 سمت اتار دی تھی لبادہ بدل لیا ۲۳۷
101 دوارِ چشم پا کا ہنر دے دیا گیا ۲۳۹
102 بہت بیکار موسم ہے مگر کچھ کام کرنا ہے ۲۴۱
103 جو کہہ چکے تھے تو پھر ہمارا یہ حال ہونا تو چاہیے تھا ۲۴۳
104 سانس کے شور کو جھنکار نہ سمجھا جائے ۲۴۵
105 مٹی میں کوئی رنگ ملایا نہیں کرتے ۲۴۷
106 شاید کسی بلا کا تھا سایہ درخت پر ۲۴۹
107 کون کہتا ہے محبت مر گئی ۲۵۱
108 منحرف ہیں مرے ساتھی تو خدا ہی آئے ۲۵۲
109 ایسا نہیں کہ پیاس کا صحرا نہیں ہوں میں ۲۵۳
110 وہ آنے والا نہیں پھر بھی آنا چاہتا ہے ۲۵۵
111 جنہیں دشمن سمجھتے تھے وہی اپنے نکل آئے ۲۵۷
112 یہ شہر روز ہی بستا ہے روز اجڑتا ہے ۲۵۹
113 عجب سا ذائقہ ہوں میں ۲۶۱
114 چاند چمکا جنگلوں پر آسماں کا در کھلا ۲۶۳
115 پسِ غبار بھی اڑتا غبار اپنا تھا ۲۶۵
116 اک ٹہنی پر پھولے پھلے ہیں پاکستان اور میں ۲۶۷
117 بے صدا ٹھہرے ہونٹ کھول کے ہم ۲۶۹
118 کون کس کا ہے ہم سفر اے دوست ۲۷۱
119 اس کی خواہش کروں تو یہ دھڑکا لگے ۲۷۳
120 سکوتِ دہر رگوں تک اتر گیا ہوتا ۲۷۵
121 وہ کون ہے جو پسِ چشمِ تر نہیں آتا ۲۷۷
122 کھلا مہتاب بھی ٹوٹے ہوئے در کے حوالے سے ۲۷۹
123 دشتِ جنوں کو وا ارادہ اٹھا لیا ۲۸۱
124 اسی لیے مرا سایہ مجھے گوارا نہیں ۲۸۳
125 کون کہتا ہے کہ وہ بھولتا جاتا ہے مجھے ۲۸۵

ebooksgallery.com

126 جینے نہیں دیتا کبھی رونے نہیں دیتا ۲۸۷
127 وہ بھولتا ہے نہ دل میں اتارتا ہے مجھے ۲۸۹
128 اس جہاں میں عجب نہیں کچھ بھی ۲۹۱
129 دھندلی سمتوں میں اگر کوچ کا پر مل جائے ۲۹۳
130 بوئے موجود سے موہوم اشارے تک ہے ۲۹۷
131 شام کا بھولا ہوا وقتِ سحر آ جائے گا ۲۹۹
132 یہ ہجر کا موسم بھی گزر کیوں نہیں جاتا ۳۰۱
133 طلوعِ ہجر کی بستی میں چاند سا نکلے ۳۰۳
134 جمالِ یار کی مشعل اٹھا کے دیکھتے ہیں ۳۰۵
135 کبھی نیندیں بھی آنکھوں میں پانی بھیج دیتا ہے ۳۰۷
136 شامِ سفر کی حد پہ تھے دن رات کی طرح ۳۰۹
137 ستمبر نے خواب بنے خاک سے نباہ کیا ۳۱۳
138 چمکے گا شجر پہ نہ مرے گھر میں رہے گا ۳۱۵

نظمیں

139 واپسی ۳۱۷
140 جی-سی میں نینا کے ساتھ پہلا دن ۳۲۱
141 پرندوں اور درختوں کا ہمزاد ۳۲۳
142 اداسی کی بے معنویت پر ایک نظم ۳۲۶
143 برگد سے دشمنی کا موسم ۳۲۹
144 محبت فقط لفظ ہے ۳۳۳
145 کھوئی ہوئی نظم کی یاد میں ۳۳۵
146 قمر بشیر کا نوحہ ۳۳۷
147 شجر سے اترتی ہوئی ایک نظم ۳۴۰
148 وہ ہنستی ہے تو اس کے ہاتھ روتے ہیں ۳۴۳
149 نارسائی کے ساحلوں پر مکالمہ ۳۴۵

مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا

150 پانی آنکھ میں بھر کر لایا جا سکتا ۳۵۱
151 آنکھ لگتے ہی مری نیند اڑانے لگ جائیں ۳۵۳
152 دہکتے دن میں عجب لطف اٹھایا کرتا تھا ۳۵۵
153 عشق کی جوت جگانے میں بڑی دیر لگی ۳۵۷
154 اشک نکلے ہیں تعاقب کا بہانہ کر کے ۳۵۹
155 جب انتظار کے لمحے پگھلنے لگتے ہیں ۳۶۱
156 جہانِ مرگِ صدا میں اک اور سلسلہ ختم ہو گیا ہے ۳۶۳
157 شاخ پر پھول فلک پر کوئی تارا بھی نہیں ۳۶۵
158 اک پرندے نے مجھے اب یہ نصیحت کی ہے ۳۶۶
159 میں ذرہ ہوں کہ نا ذرہ بہت ہوں ۳۶۷
160 اگر یہاں کوئی چشمہ پھوٹتا ہے ۳۶۹
161 اے دوست دعا اور مسافت کو بہم رکھ ۳۷۰
162 ہم جو آس پاس اس کے یوں ہی پھرتے رہتے ہیں ۳۷۱
163 پسِ غبار مدد مانگتے ہیں پانی سے ۳۷۳
164 حسابِ بیش و کم کرنے کو ہوں تیار بسم اللہ ۳۷۵
165 حرف و بیان و خواب و خبر خیریت سے ہیں ۳۷۶
166 دل بستگیِ شوق کے سامان بندھے ہیں ۳۷۷
167 چاند کو تالاب مجھ کو خواب واپس کر دیا ۳۷۹
168 عجیب طور کی ہے اب کے سرگرانی مری ۳۸۱
169 ہوائے موسمِ گل سے لہو لہو تم تھے ۳۸۲
170 تیرے لیے سب چھوڑ کے تیرا نہ رہا میں ۳۸۳
171 ٹوٹ جانے میں کھلونوں کی طرح ہوتا ہے ۳۸۵
172 کسی برتن کی طرح توڑ دیا ہے اس نے ۳۸۷
173 چلنا بیکار گیا وقت کی رفتار کے ساتھ ۳۸۸
174 نہ تجھ سے ہے نہ گلہ آسمان سے ہوگا ۳۸۹

ebooksgallery.com

175 کیسے برباد ہوا کیسے بتاؤں اس کو ۳۹۰
176 دکھوں کا دشت آنکھوں کا سمندر چھوڑ آیا ہوں ۳۹۱
177 ہم نے کہا نہیں تھا میاں پیار مت کرو ۳۹۳
178 تمازتِ وحشت سے میں نہیں آیا ۳۹۵
179 صبح کی پہلی کرن پہلی نظر سے پہلے ۳۹۷
180 اب وہ صورت ہے نہ وہ عکس گری ہے مجھ میں ۳۹۹
181 غرق شہروں کی کہانی اور ہے ۴۰۱
182 شعر لکھنے کا قاعدہ کیا ہے ۴۰۳
183 سمجھ میں کوئی مثال آئے تو آنے دینا ۴۰۶
184 سکوتِ نیم شبی سن کے ڈر گئے ہم بھی ۴۰۷
185 اس دل کو تسلی ہوئی دلگیر سے لگ کر ۴۰۸
186 گدائے حرف ہیں شام و سحر تسبیح کرتے ہیں ۴۰۹
187 کس کر باندھی گئی رگوں میں دل کی گرہ تو ڈھیلی ہے ۴۱۱
188 خوشی سنبھالنے کا انتظام کرے گا ۴۱۳
189 لہولہو ہیں مگر یہاں ہم یہ جانے کو رکے ہوئے ہیں ۴۱۵
190 مسافرت میں شبِ دعا تک پہنچ گئے ہیں ۴۱۷
191 یار کے غم کو عجب نقش گری آتی ہے ۴۱۹
192 نمودِ خواب و خواہش ہو رہی ہے ۴۲۰
193 یہ جو نشہ سا طاری ہے طاری رہے رقص جاری رہے ۴۲۱
194 قدم میں گھر سے نکالوں تو گھر بھی جاتا ہے ۴۲۳
195 جس طرح رنج میں آنکھوں کی نمی کا ہونا ۴۲۵
196 دریا کی روانی ہے روانی کے علاوہ ۴۲۶
197 تحسین سے شیشے کا اہتمام کر لیا ۴۲۷
198 عشق گر ہے تو خفا کس لیے تو ہوتا ہے ۴۲۹
199 کھا کے سوکھی روٹیاں پانی کے ساتھ ۴۳۰
200 جب جنوں سا چاہنے والا ہوتا ہے ۴۳۱
201 فریب ہجر میں کیا کیا دکھائی دیتا ہے ۴۳۳

202 نیا پرندہ قفس سے باہر بنا رہا ہوں ۴۳۵
203 زخم چھپانے کو ہم خلعت مانگتے ہیں ۴۳۷
204 زمیں پہ نصف النہار کا وقت ہو گیا ہے ۴۳۹
205 یہ ہم جو ہجر میں اس کا خیال باندھتے ہیں ۴۴۱
206 کوئی خواب خبر آ تار دیکھیں ۴۴۳
207 کس نے ہونا ہے مری ذات میں جتنے تم ہو ۴۴۵
208 ٹوٹی پڑی ہے سوچ بھی پتوار کی طرح ۴۴۶
209 یہ اچانک جو سکوں سا آیا ۴۴۷
210 اس عہدِ بے شمار میں بادل کہاں سے لائیں ۴۴۹
211 اس قیامت میں کھلنے اظہار کی توفیق دے ۴۵۱
212 نہ اہلِ تخت نہ ان کے مخالفین کے ساتھ ۴۵۲
213 یہ جو بے وقت صبح یابی ہے ۴۵۳
214 یہ ان دنوں کا ذکر ہے اک بادشاہ تھا ۴۵۵
215 اب کے پتہ چلے گا ہمارے غنیم کو ۴۵۷
216 کیسا رنگ و روشنی کا قہر ہے ۴۵۸
217 میں اور کھاؤں موسمِ تعزیر کی قسم ۴۵۹
218 سرخ مٹی ہے کہ انجام سفر محفوظ ہے ۴۶۱
219 الفاظ بادشاہ کے لہجہ فقیر کا ۴۶۳
220 لفظ میں شکل سی ابھر آئی ۴۶۵
221 جب کہا دل نے کہ باہر کی طرف ۴۶۷
222 شکستہ خواب و شکستہ پا ہوں مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا ۴۶۹

پروں میں شام ڈھلتی ہے

223 سبز گنبد کی جھلک دیدۂ تر سے آگے ۴۷۵
224 دشت میں پیاس بجھاتے ہوئے مر جاتے ہیں ۴۷۷
225 تیرے گمنام اگر نام کمانے لگ جائیں ۴۷۹
226 ہوائے تیز ترا ایک کام آخری ہے ۴۸۱

ebooksgallery.com

175	کیسے برباد ہوا کیسے بتاؤں اس کو	۳۹۰
176	دکھوں کو دشتِ آنکھوں کا سمندر چھوڑ آیا ہوں	۳۹۱
177	ہم نے کہا نہیں تھا میاں پیار مت کرو	۳۹۳
178	تمازتِ وحشت سے میں نہیں آیا	۳۹۵
179	صبح کی پہلی کرن پہلی نظر سے پہلے	۳۹۷
180	اب وہ صورت ہے نہ وہ عکس گری ہے مجھ میں	۳۹۹
181	غرق شہروں کی کہانی اور ہے	۴۰۱
182	شعر لکھنے کا قاعدہ کیا ہے	۴۰۳
183	سمجھ میں کوئی مثال آئے تو آنے دینا	۴۰۶
184	سکوتِ نیم شبی سن کے ڈر گئے ہم بھی	۴۰۷
185	اس دل کو تسلی ہوئی دلگیر سے لگ کر	۴۰۸
186	گدائے حرف ہیں شام و سحر تسبیح کرتے ہیں	۴۰۹
187	کس کر باندھی گئی رگوں میں دل کی گرہ تو ڈھیلی ہے	۴۱۱
188	خوشی سنبھالنے کا انتظام کرے گا	۴۱۳
189	لیلیٰ ہیں مگر یہاں ہم یہ جانتے کو رکے ہوئے ہیں	۴۱۵
190	مسافرت میں شبِ دعا تک پہنچ گئے ہیں	۴۱۷
191	یار کے غم کو عجب نقش گری آتی ہے	۴۱۹
192	نمودِ خواب و خواہش ہو رہی ہے	۴۲۰
193	یہ جو نشہ سا طاری ہے طاری رہے رقص جاری رہے	۴۲۱
194	قدم میں گھر سے نکالوں تو گھر بھی جاتا ہے	۴۲۳
195	جس طرح رنج میں آنکھوں کی نمی کا ہونا	۴۲۵
196	دریا کی روانی ہے روانی کے علاوہ	۴۲۶
197	محسن سے تشیدنے کا اہتمام کر لیا	۴۲۷
198	عشق گریہ چھپا کس لیے تو ہوتا ہے	۴۲۹
199	کھائے سوکھی روٹیاں پانی کے ساتھ	۴۳۰
200	جب مجنوں سا چاہنے والا ہوتا ہے	۴۳۱
201	فریبِ ہجر میں کیا کیا دکھائی دیتا ہے	۴۳۳

202	نیا پرندہ قفس سے باہر بتا رہا ہوں	۴۳۵
203	زخم چھپانے کو ہم خلعت مانگتے ہیں	۴۳۷
204	زمیں پہ نصف النہار کا وقت ہو گیا ہے	۴۳۹
205	یہ ہم جو ہجر میں اس کا خیال باندھتے ہیں	۴۴۱
206	کوئی خوابِ خبر آثار دیکھیں	۴۴۳
207	کس نے ہونا ہے مری ذات میں جتنے تم ہو	۴۴۵
208	ٹوٹی پڑی ہے سوچ بھی پتوار کی طرح	۴۴۶
209	یہ اچانک جو سکوں سا آیا	۴۴۷
210	اس عہدِ بے ثمار میں بادل کہاں سے لائیں	۴۴۹
211	اس قیامت میں گھٹے اظہار کی توفیق دے	۴۵۱
212	نہ اہلِ تختِ زنان کے مخالفین کے ساتھ	۴۵۲
213	یہ جو بے وقت صبح یابی ہے	۴۵۳
214	یہ ان دنوں کا ذکر ہے اک بادشاہ تھا	۴۵۵
215	اب کے پتہ چلے گا ہمارے غنیم کو	۴۵۷
216	کیسا رنگ و روشنی کا قہر ہے	۴۵۸
217	میں اور کھاؤں موسمِ تعزیر کی قسم	۴۵۹
218	سرخ مٹی ہے کہ انجامِ سفر محفوظ ہے	۴۶۱
219	الفاظ بادشاہ کے لہجہ فقیر کا	۴۶۳
220	لفظ میں شکل سی ابھر آئی	۴۶۵
221	جب کہا دل نے کہ باہر کی طرف	۴۶۷
222	شکستہ خواب و شکستہ پا ہوں مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا	۴۶۹

پروں میں شام ڈھلتی ہے

223	سبز گنبد کی جھلک دیدۂ تر سے آگے	۴۷۵
224	دشت میں پیاس بجھاتے ہوئے مر جاتے ہیں	۴۷۷
225	تیرے گمنام اگر نام کمانے لگ جائیں	۴۷۹
226	ہوائے تیز ترا ایک کام آخری ہے	۴۸۱

ebooksgallery.com

281 مٹی کی محبت میں گرفتار پرندے ۵۹۱
282 کب چاند سر فلک رہا ہے ۵۹۳
283 خمار خواب نہ رقص وصال ہے بابا ۵۹۵
284 دم میں جی اٹھنا مرا دم میں فنا ہو جانا ۵۹۷
285 پاؤں پڑتا ہوا رستہ نہیں دیکھا جاتا ۵۹۹
286 اس شہر میں ٹھہرنے کا ڈھونڈیں بہانہ کیا ۶۰۱
287 یاد کر کر کے اسے وقت گزارا جائے ۶۰۳
288 گھر میں رہ کر بھی مرے گھر کا متقفل ہونا ۶۰۵
289 کوفہ شک نہ کسی دشت بلا کی جانب ۶۰۷
290 غزل ذریعۂ اظہار بے ولاں تجھ سے ۶۰۸

رقص درویش

291 اقلیم ولایتیں اور سرخ خیمہ — محمد اظہار الحق ۶۱۳
292 یہ کنارا ہے بہت میرے سمٹنے کے لیے (نعت) ۶۲۵
293 میری تنہائی بڑھاتے ہیں چلے جاتے ہیں ۶۲۷
294 دی ہے وحشت تو یہ وحشت ہی مسلسل ہو جائے ۶۲۹
295 یہ ہم جو تجھ سے تری بات کرنا چاہتے ہیں ۶۳۱
296 شامل مرے غبار میں صحرا اگر نہ ہو ۶۳۳
297 یار سے کوئی تعلق نہ غم یار کے ساتھ ۶۳۷
298 اسی لیے تو اندھیرے بھی کم نہیں ہوتے ۶۳۹
299 کوئی مانا نہیں یہ بوجھ اٹھانے کے لیے ۶۴۱
300 یہ ہم جو تجھ سے تجھے بار بار مانگتے ہیں ۶۴۳
301 غلط کہ رنگ دہن کا رفو ضروری ہے ۶۴۵
302 کوئی ٹکرا کے سبک سر بھی تو ہو سکتا ہے ۶۴۷
303 دھوپ ہوں پرچھائیں ہوں یا کوئی بادل شخص ہوں ۶۴۹
304 وہی میں اور وہی زخم زیاں ہے کہ جو تھا ۶۵۱
305 بوئے گل بن کے سر دوش ہوا رہتے ہیں ۶۵۳

306 مجھ جیسا ہر حرف سرا ما تو ہے نہیں ۶۵۵
307 شجر مجھ کے مرا احترام کرتے ہیں ۶۵۷
308 تو اشک دل پہ گراتے جگر لہو کرتے ۶۵۹
309 یہ میں جو حرف سے مصرعے نہیں حجرے بناتا ہوں ۶۶۱
310 اہل منصب ہیں نہ ہم لوگ ہنر والے ہیں ۶۶۳
311 عادی جو ترے طعنہ و دشنام کے ہوتے ۶۶۵
312 عشق زادوں کے لہو کا یہ اثر لگتا ہے ۶۶۷
313 کیوں نہ رکتا میں شام رخصت میں ۶۶۹
314 اک قدم تیغ پہ اور ایک شرر پر رکھا ۶۷۱
315 مہکنے کی تمنا میں ہوا ہونے سے ڈرتے ہیں ۶۷۳
316 دو شعر ۶۷۴
317 ہم جو پلک پلک سے نگاہ دیکھتے نہیں ۶۷۵
318 محدود خود کو کیوں کرے تیرے جمال تک ۶۷۷
319 یہ روشنی سی مرے دل کے روبرو کیا ہے ۶۷۸
320 میں اپنے عشق کو خوش اہتمام کرتا ہوا ۶۷۹
321 یونہی منزل پہ منزل سب کسی بھی اشارے تک ۶۸۱
322 جل پری ہاتھ لگی اور نہ گہرا اترا ۶۸۳
323 کھل اٹھا دل صورت شاخ وصال اس کے لیے ۶۸۵
324 یوں ہی نہیں یہ آگ مرے گھر لگی ہوئی ۶۸۷
325 غرور و کذب و ریا کل من علیها فان ۶۸۹
326 یوں بھی کشکول کیا تیرے گدا نے خالی ۶۹۱
327 یہ دیکھ مرے نقش کف پا مرے آگے ۶۹۳
328 ہم جستگاں کی اتنی حقیقت ہے اور بس ۶۹۵
329 اک جیسی زندگی کو کتنا بسر کریں گے ۶۹۷
330 ایسے تو کوئی ترک سکونت نہیں کرتا ۶۹۹
331 اسی سبب سے یہاں احترام میرا ہے ۷۰۱
332 عکس اپنا دیکھنا تو مسئلہ میرا بھی ہے ۷۰۳

ebooksgallery.com

333 اب محبت نہ فسانہ نہ فسوں ہے یوں ہے ۷۰۵
334 کنجِ غزل نہ قیس کا ویرانہ چاہیے ۷۰۷
335 حجرۂ جاں ہے بے اماں میرے لیے دعا کرو ۷۰۹
336 یافت کے شہر میں نایاب کے مارے ہوئے لوگ ۷۱۱
337 یوں بچایا ہے مجھے مجھ سے خدا نے میرے ۷۱۳
338 طلسمِ ظلمتِ شب کا ازالہ کیا کرتا ۷۱۵
339 تو نے ویسے بھی مرے دل سے نکل جانا تھا ۷۱۷
340 اور تو کچھ بھی نہیں گردِ سفر حاضر ہے ۷۱۹
341 ہر قدم پر شکار ہے اپنا ۷۲۱
342 زخم مہکے نہ کوئی رنگ طبیعت لائی ۷۲۳
343 اپنی حالت پہ اگر حالتِ دنیا لکھیں ۷۲۵
344 گمانِ بدگمانی کارگر جانے کے موسم میں ۷۲۷
345 خود کو پاتا ہوں سرِ بابِ دعا مشکل کے وقت ۷۲۹
346 یہ جو دل روز کوئی اور کہانی مانگے ۷۳۱
347 تسلی دے کے مرا صبر آزمانا مت ۷۳۳
348 کوئی حل ایسا کہ جس سے مسئلہ قائم رہے ۷۳۵
349 انگلیاں اٹھتی تھیں دریوزہ گری پر کیا کیا ۷۳۷
350 حالتِ رنج میں پتھر ہے نہ پتھر تک ہے ۷۳۹
351 ہوا کے ہاتھ لگ کر میں بکھر تھوڑی گیا ہوں ۷۴۱
352 کیا دیکھنا جہانِ دگر دیکھنے کے بعد ۷۴۳
353 یہ اشکوں کی روانی کیا کروں میں ۷۴۵
354 کسی کو آنکھ سے بیٹھی کسی کو گل پسند آیا ۷۴۷
355 دو شعر ۷۴۸
356 جلا رہے گا اک دیا بجھے دیوں کے درمیاں ۷۴۹
357 ملے ہیں آپ تو کیا ہے اگر خدا نہ ملا ۷۵۱
358 اب سمجھ آیا ہمیں دیر میں آنا دل کا ۷۵۳
359 بور اٹھایا آنکھ نے رنگِ چہرہ اظہار کا ۷۵۵
360 تو نے تو مجھ کو کہیں کا نہ زمانے رکھا ۷۵۹

بنام عباس تابش

اسلام آباد سے!

یہ پوچھنا تو بے کار ہے کہ تم کیسے ہو۔ ٹھیک بھی ہو گے تو ایک ٹھنڈی آہ بھر کر کہو گے کہ ٹھیک ہوں۔ (پہلی دفعہ اس طرح کا خط لکھ رہا ہوں اس لیے چھوٹا ہونے کے باوجود بے تکلفی سے کام لے رہا ہوں۔ اسے نظر انداز کر دینا) ہاں! تو یہ خط میں تنگ آ کر آخری چارے کے طور پر لکھ رہا ہوں۔ تم نے بڑے مان سے مجھے یہ کہا کہ تمہاری شاعری کے حوالے سے کچھ لکھوں۔ میں نے بہت سوچا۔ کئی دفعہ مضمون باندھنے کی کوشش کی۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ نہ میں ایک لفظ لکھ سکا اور نہ اپنے آپ کو اس کا اہل پایا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تمہاری شاعری ہے۔ تمہاری بے مثال اور بے پناہ شاعری۔ جس کے سامنے میں اپنی تمام تر صلاحیتوں اور خوش فہمیوں کے باوجود خود کو بے دست و پا اور مجبور پاتا ہوں۔ سورج کو ایک جگنو اس کے جہان تاب اجالے میں کیا بتائے کہ وہ کس قدر روشن ہے! سو اپنا اور تمہارے مان کا بھرم رکھنے کے لیے تمہارے ساتھ اس خط کی صورت میں گفتگو کر رہا ہوں۔

عباس تابش! شاعری کا سب سے بڑا ناقد تو آنے والا وقت ہوتا ہے مگر تم ان خوش قسمت شاعروں میں سے ہو جنہیں اپنی زندگی میں بھی بے پناہ محبت کرنیوالے میسر آ گئے۔ آنے والا وقت تو خیر ہے ہی تمہارا۔ تم دشمنوں کے معاملے میں بھی بہت خوش قسمت واقع ہوئے ہو۔ تمہارے جتنے دشمن ہیں سب وہ لوگ ہیں جو خود کو شاعر تو کہتے ہیں لیکن شاعری کے علاوہ دنیا کی ہر چیز اُن کا مسئلہ ہے۔ کبھی غور کیا ہے کہ کوئی جینوئن اور سچا شاعر تمہارا دشمن نہیں ہے۔ کیا یہ کم خوش قسمتی ہے؟

یاد ہے...... پہلی بار علامہ اقبال میڈیکل کالج کے ہاسٹل میں اشفاق ناصر کے کمرے میں تم سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اس وقت میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ ملاقات ساری زندگی پر محیط ہو جائے گی اور میں جو شاعری کو محض ایک پارٹ ٹائم افیئر کی حیثیت دیتا تھا شاعری کے سحر میں ایسا گرفتار ہو جاؤں گا کہ فرار کی ہر راہ مسدود ہو کر رہ

ebooksgallery.com

جائے گی۔ تمہاری شخصیت کا کمال یہ تھا (اور ہے بھی) کہ تم ہر وقت شاعری میں مبتلا رہتے تھے۔ کبھی کبھی تو بہت کوفت ہوتی تھی کہ یہ کیا مصیبت ہے۔ کبھی تو انسان شعر کے مضمون کی باریکیوں، تہ داری اور رموز و عروض سے باہر بھی سانس لے۔ مگر رفتہ رفتہ یہ نشہ رگ و پے میں یوں سرایت کرتا گیا کہ میں خود بھی اُسی کیفیت میں محو ہو گیا جس میں سے تمہیں نکالنے کا سوچا کرتا تھا۔ تب تمہارا یہ شعر اپنی تمام تلخیوں، رعنائیوں اور سچائیوں کے ساتھ مجھ پر کھلا:

سکوت دہر رگوں تک اتر گیا ہوتا
اگر میں شعر نہ کہتا تو مر گیا ہوتا

تمہیں نے مجھے یہ بتایا کہ شاعری ودیعت کے ساتھ ساتھ ایک فن بھی ہے۔ اور دیگر فنون لطیفہ کی طرح سیکھنا پڑتا ہے مگر نہ اس کا کوئی نصاب ہے اور نہ کوئی باقاعدہ درس گاہ۔ سو تمہاری ہر تازہ غزل میرے لیے درس گاہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ محفل یاراں میں عرفان غزل کے مرحلے طے کرتے ہوئے میں تم سے اور تمہاری غزل سے خوب الجھتا۔ تمہیں جان بوجھ کر تنگ کرتا اور تم شعر کی سرمستی میں اس کے سربستہ رموز ایسے بتاتے چلے جاتے کہ مجھ سا مبتدی بھی غزل کی چلہ گاہ میں چلہ کش ہو گیا۔ تمہارے اپنے بقول:

دوست سب سے کہاں کھلتا ہے غزل کا چلہ
حجرہ میر میں ہوتا ہے سدا ایک ہی شخص

تم خالد احمد کو اپنا پیر و مرشد مانتے ہو اور میں تمہیں۔ تم نے خالد احمد سے پتہ نہیں کس انداز میں کسب فیض کیا ہو میں نے اپنا طریقہ واردات تمہیں بتا دیا ہے۔

کس سہولت سے تم اپنی کیفیت شعر میں ڈھالتے ہو اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو تمہارے ساتھ ہونے والے واقعات کا عینی شاہد ہو لیکن اس سے بھی زیادہ کمال یہ ہے کہ تمہیں ذاتی طور پر نہ جاننے والا شخص بھی تمہارے شعر میں رچی کیفیت کو اسی شدت سے محسوس کرتا ہے جس کی کوئی شاعری تمنا کر سکتا ہے۔ یہ رب اظہار کا وہ خاص کرم ہے جو شعر کو برکت اور شاعر کو قبولیت کے مقام تک پہنچاتا ہے میں نے تمہارے یہ شعر اس وقت سنے تھے جب میں تمہیں جانتا بھی نہیں تھا۔ مگر یہ شعر میری کیفیت، میرے عشق اور میری ذات کا کبھی نہ جدا ہونے والا حصہ بن چکے تھے:

میں اُس کا لمحہ موجود ہوں مگر وہ شخص
فضول وقت سمجھ کر گزارتا ہے مجھے

عمر مابعد اگر تیرے علاوہ کچھ ہے!
پھر تو میں اب بھی نہیں اور دوبارہ بھی نہیں

میرے سینے سے ذرا کان لگا کر دیکھو
سانس چلتی ہے کہ زنجیر زنی ہوتی ہے

ہنسنے نہیں دیتا کبھی رونے نہیں دیتا
یہ دل تو کوئی کام بھی ہونے نہیں دیتا

ایک مدت سے مری ماں نہیں سوئی تابش
میں نے اک بار کہا تھا مجھے ڈر لگتا ہے

تم مشاعروں کے بھی کامیاب شاعر ہو۔ ایک بڑے شاعر کے لیے مشاعرے کا کامیاب شاعر ہونا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ مگر تم نے اس فلسفے کے غبارے سے بھی ہوا نکال دی جس کے بل بوتے پر (بزعم خود) بڑے بڑے شاعر اپنے آپ کو مشاعرے میں داد نہ ملنے پر تسلی دے لیا کرتے تھے۔ آج سب جانتے ہیں کہ عباس تابش مشاعرے کی وجہ سے کامیاب شاعر نہیں بنا بلکہ عباس تابش کی وجہ سے مشاعرہ کامیاب بن جاتا ہے۔ تم عوام کے شاعر بھی ہو اور شاعروں کے شاعر بھی۔

(مجھے لگ رہا ہے کہ میں خط لکھتے لکھتے راہ مضمون پر آ گیا ہوں۔ خیر ——)

تمہارے ساتھ رہ کر شاعری کے ہر عہد کے بڑے بڑے شاعروں سے ملاقات رہی۔ کبھی میر تو کبھی سودا، کبھی انیس و دبیر تو کبھی غالب و ذوق، الغرض ولی دکنی سے لیکر ناصر کاظمی تک اور فراق و فیض سے لیکر دور جدید تر کے نوجوان شعرا تک کے اشعار پر فکری وفنی حوالوں سے گھنٹوں سر کھپایا۔ کبھی فراز کی عنایت پر بات ہوئی تو کبھی جون کی بے تکلف سادگی کا تذکرہ رہا۔ کبھی محمد اظہار الحق اور ثروت حسین کے اسلوب کی گرہیں کھولیں تو کبھی شکیب جلالی اور مرتضیٰ برلاس کے تلخ سچائیوں سے بھرے شہر آشوب کو غزل کی رعنائی میں ڈھلتے ہوئے محسوس کیا۔ اور کبھی قمر رضا شہزاد کے ساتھ سیر مہتاب کی۔ مجھے تو یہ گزرے ہوئے شب و روز اس خطۂ زمین سے دور، زمان و مکان کی حدوں سے ماورا ایک ایسی زندگی کا حصہ معلوم ہوتے ہیں جو ہمیشہ سے تھی اور ہمیشہ رہے گی۔ مجھے یہ بھی خبر ہے کہ تم نے شعر

ebooksgallery.com

کہنے کے لیے بھی بڑے دکھ اٹھائے ہیں اور شعر کہہ کر بھی بڑے دکھ اٹھائے ہیں۔ مگر آلام کی یہ آنچ تمہاری ذات اور فن کے لیے ایک کٹھالی کا کام دے گئی اور آج عباس تابش اور اس کا شعر زرِ خالص کی طرح ہمارے سامنے ہے۔ تمہارے اپنے ہی اشعار ہیں

اک قدم تیغ پہ اور ایک شرر پر رکھا
میری وحشت نے مجھے رقص دگر پر رکھا

اہلِ دنیا کو مگر کون بتاتا جا کر!
ہو گیا ناف غزالیں کوئی گھر پر رکھا

لاہور سے مجھے عشق تھا اور ہے بھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کبھی لاہور مجھ سے اور کبھی میں لاہور سے بھاگتا رہا۔ مگر جو وقت لاہور میں گزرا بس وہی زندگی ہے۔ حسنین سحر کے گھر کی محفلیں، انار کلی بازار کے بے مصرف چکر، علامہ اقبال میڈیکل کالج میں منائے گئے رتجگے، اور کبھی کبھار ہاشمی چوک میں افضل ہوٹل پر خالد احمد کے سگریٹوں کے دھوئیں میں مرتخشے اشعار، اور ان سب سے بڑھ کر ہمارے گھر والوں کے حوصلے۔ جتنا یاد کروں اتنا جی بھر آتا ہے۔

کبھی تو پیڑ کی آنکھوں میں چاند بھر آیا
کسی نے کہہ دیا ہوگا کہ شام آخری ہے

پھر اس کے بعد یہ بازارِ دل نہیں لگنا
خرید لیجے صاحب، غلام آخری ہے

ایک بار تم نے مجھے اپنی غزلوں کا انتخاب کرنے کے لیے کہا تھا۔ میں نے تمہاری کتابیں سامنے رکھیں تو گویا ایک امتحان میرا منتظر تھا۔ خدایا! کس غزل کا انتخاب کروں اور کس کو چھوڑوں؟ آخر کار مجھے غزلوں پر ہی نشان لگانا پڑا۔ مگر جب تمہارا اصرار بڑھا تو میں نے (100) سو غزلیں منتخب کیں۔ اس دن سے آج تک میں جب بھی تمہاری کتابیں اٹھاتا ہوں تو اپنے آپ کو تمہاری بقیہ غزلوں کا مجرم پاتا ہوں۔ تمہاری غزل روایت کے رچاؤ اور جدیدیت کی تازگی سے عبارت ہے تمہاری غزل کا آہنگ ہی نہیں اس کی فضا بھی جداگانہ ہے۔ پرندوں، درختوں، چاند، دشت اور ہجرت کو تمہاری شعری فضا میں ایک خاص استعاراتی حیثیت حاصل ہے۔ کبھی کبھی تو مجھے تمہارا شاعری سے رشتہ بھی ایک درخت اور پرندے کا سا لگتا ہے۔ تمہاری شعری فضا میں رچے ہوئے یہ اشعار اردو غزل کا سرمایہ ہیں۔

اپنے ہمزاد درختوں میں کھڑا سوچتا ہوں
میں تو آیا تھا انہیں آگ لگانے کے لیے

تلاشِ رزق میں بھٹکے ہوئے پرندوں کو!
میں جیب خرچ سے دانہ کھلایا کرتا تھا

چاند نکلے اور اس کی عزت افزائی نہ ہو
کیسے ممکن ہے گھر میں کوئی سودائی نہ ہو

عجیب پیڑ ہیں ان کو حیا نہیں آتی
ہمارے سامنے کپڑے بدلنے لگتے ہیں

یہ کہہ کے میرے گھر سے فرشتے چلے گئے
وہ کوئی گھر ہے جس میں پرندوں کا گھر نہ ہو

تم کاٹ نہ دینا اسے بے کار سمجھ کر!
اس پیڑ کے نیچے کئی پیمان بندھے ہیں

شجر سمجھ کے مرا احترام کرتے ہیں
پرندے رات کو مجھ میں قیام کرتے ہیں

یہ مہتاب یہ رات کی پیشانی کا گھاؤ
ایسا زخم تو دل پر کھایا جا سکتا ہے

دشت میں پیاس بجھاتے ہوئے مر جاتے ہیں
ہم پرندے کہیں جاتے ہوئے مر جاتے ہیں

ہم ہیں سوکھے ہوئے تالاب پہ بیٹھے ہوئے ہنس
جو تعلق کو نبھاتے ہوئے مر جاتے ہیں

ایسے تو کوئی ترکِ سکونت نہیں کرتا
ہجرت وہی کرتا ہے جو بیعت نہیں کرتا

تُو جو ہر بات پہ دیتا ہے پرندوں کی مثال
اس کا مطلب ہے ترے شہر سے ہجرت کیجے

تمہارے شعر لکھنے بیٹھوں تو وہی معاملہ ہوگا جو تمہاری غزلوں کے انتخاب کے وقت ہوا تھا۔ اچھا شعر تو حسن ہے اور حسن کی داد تو دی جا سکتی ہے مگر اس کی توجیہہ بیان کرنا ''آرائشِ فردوس بریں'' کے مترادف ہوگا۔

یہ سب یادیں اور باتیں دہرانے کا ایک مقصد اور بھی ہے۔ یہ الگ بات کہ اگر مجھے کسی سے عشق نہ ہوتا یا تمہیں کسی سے عشق نہ ہوتا تو ہم پھر بھی شعر کہہ رہے ہوتے۔ اس لیے کہ ہم سانس بھی لے رہے ہوتے۔ مگر یہ عشق کی الوہی واردات ہے جو شاعر کا خونِ جگر اس کے شعر میں ایسے سموتی ہے جیسے اقبالؔ کے بقول شاخِ گل میں بادِ سحر گاہی کا نم سما جاتا ہے۔ عشق کی سچائی شعر کو حرمت عطا کرتی ہے اور وہ تاثیر بخشتی ہے جو پتھر دل کو بھی پگھلا دیتا ہے۔ تمہارے شعر میں اس لیے بھی بسر کرتا ہوں کہ میرا عشق تازہ رہتا ہے۔ اب یہاں میں

ebooksgallery.com

تمہاری اس غزل کے کچھ شعر سناتا ہوں تاکہ گفتگو کو سمیٹ سکوں۔

ڈور اٹھایا آنکھ نے راگ چھڑا ملہار کا — شہنائی کی گونج پر آنسو نکلا یار کا

دیکھا جب میں ڈور سے نکلا چاند کھجور سے — صحرا میں یاد آ گیا کوئی سمندر پار کا

حسن کا حیلہ اور ہے عشق وسیلہ اور ہے — وہ تیرا خب دار ہے میں تیرے خب دار کا

مجھ ایسے آوارگاں لائے اپنے کام میں — بے چینی کی شام میں اک چکر بازار کا

میں ہوں بھورے توڑتا دل ہے سانسیں جوڑتا — میں ہوں اپنی ذار کا دل ہے اپنی ذار کا

چھوڑ کے تخت آباد کو دل دریا کو ڈوبیے — نکلے شاہ سے پوچھیے مستی کی منجدھار کا

ابھی بہت کچھ کہنا باقی ہے۔ مگر ایک خط میں (اور وہ بھی پہلے خط میں) کتنا کچھ کہا جا سکتا ہے۔ اور وہ بھی اس شخص سے جو دوست بھی ہو، ہمزاد بھی ہو، بھائی بھی ہو، استاد بھی ہو اور حریف مے مرد افگن عشق بھی ہو۔ رات ڈھل چکی ہے۔ کچھ دیر میں سپیدۂ سحر نمودار ہونے کو ہے۔ سنا ہے یہ قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے۔ دعا ہے کہ رب ذوالجلال اپنے عشق کے صدقے تمہیں اور تمہاری شاعری کو وہ رفعتیں اور تاثیر عطا کرے جو اس کی شان کبریائی کی عطا ہو۔ حجرۂ میر میں غزل کا چلہ کاٹنے والا اردو غزل کو یونہی ثروت مند بناتا رہے۔ آخر میں تمہارا یہ شعر تمہارے ہی نام کرتا ہوں۔

دوست سب سے کہاں کھنچتا ہے غزل کا چلہ
حجرۂ میر میں ہوتا ہے سدا ایک ہی شخص

اجازت نہیں چاہوں گا (کیونکہ بات ابھی ختم نہیں ہوئی)

تمہارا
شکیل جاذب
ستائیس نومبر دو ہزار دس
صبح دو بج کر پینتالیس منٹ

تمہید

ebooksgallery.com

احمد ندیم قاسمی

اور

خالد احمد کے نام

تمہید

کوئی تہذیب محض اپنے شاندار ماضی کے ناتے ایک بڑی تہذیب کے درجے پر فائز نہیں رہ پاتی تاوقتیکہ متعلقہ عظیم تہذیب کے ورثاء ایک زندہ تر حال میں اپنے شاندار ماضی کو ایک شاندار مستقبل سے منسلک کرنے کے عمل میں مصروف نہ ہوں۔

ہر تہذیب کا سب سے توانا اور موثر مظہر اس تہذیب کا ادب ہوتا ہے۔ پاکستانی تہذیب اپنی قدامت کے حوالے سے اور پاکستانی ادب اس قدامت کا مظہر ہونے کے ناتے ایک عظیم تر ماضی کا امین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم تر حال کا بھی حامل ہے۔ اقبالؒ، فیضؔ اور ندیم اس عظیم تر حال کے تین بڑے اہم نمائندے ہیں۔

پاکستانی ادب بہت بڑی روایاتِ فکر و فن کے تسلسل کا منظر نامہ ہے۔ پاکستانی ادباء کی موجودہ نوجوان نسل پاکستانی روایاتِ فکر و فن کی پاسدار ہی نہیں بلکہ نئی نویلی روایاتِ فکر و فن کی بانی بھی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قلم اور اہلِ قلم دونوں کی قسم کھائی ہے اور یہ قسم قلم اور تحریر دونوں کی حرمتوں کی عظیم ترین شہادت ہے۔ ہم جو اہلِ قلم گردانے جاتے ہیں اپنے آپ سے ایک سوال ضرور کر سکتے ہیں اور وہ یہ کہ آیا ہمارا قلم دلوں کو گداز آشنا اور طبائع کو نیاز آشنا کر رہا ہے یا نہیں؟ میرا کہنا صرف اتنا ہے کہ ہمارا قلم دلوں میں گداز پیدا کرنے کی کوشش تو ضرور کرتا ہے مگر طبائع میں نیاز پیدا کرنے کی کسی کاوش کو نہ جانے کیوں اپنے دائرہ اختیار سے باہر گردانتا ہے حالانکہ طبیعت نیاز سے عاری ہو تو دل کا گداز کس کام کا؟

ebooksgallery.com

پروین شاکر' نجیب احمد' ایوب خاور' عباس تابش اور شوکت علی پاکستانی ادباء کی اس نوجوان نسل کے نمائندہ شعراء ہیں جس نے نہ صرف یہ کہ پاکستانی ادب کی آفاق گیر روایات کو اپنی روح میں سمویا بلکہ اپنی جراتِ مندانہ ہنر مندی کا بدن بھی عطا کیا۔

نوجوان نسل کے ان نمائندہ شعراء میں عباس تابش اپنی ہنر آفرینی کے حوالے سے اپنے ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہم عصروں سے منسلک ہوتے ہوئے بھی منفرد نظر آتا ہے۔ آنکھ بدن کا چراغ ہے اور عباس تابش پاکستانی ادب کے ہرے بھرے بدن کا تازگی آفریں چراغ ہونے کے ناتے اس جسد کا نور ہے۔

25 برس کے عباس تابش کا نورِ شعور' تمہید کے نام سے طلوع ہو رہا ہے اور میں یہ سوچ کر پشیمان ہو جاتا ہوں کہ جب میں 25 برس کا تھا تو میرے دامن میں کیا تھا؟ میرا اپنا تشخص بھی نہیں! جب کہ عباس تابش پاکستانی ادب کی بیکرانی میں ''زمزمہ انا البحر'' کے ساتھ ''ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا؟'' کہتا ہوا پاکستانی تشخص کی چمک بن کر شامل ہو چکا ہے۔ کسی منزل شناس کے لیے منزل کنار ہونے سے بڑی سعادت کیا ہو سکتی ہے۔

عباس تابش کے فکر و فن کا تلون' اصلاً مہتاب غزل کے پیدا کردہ مد و جزر سے عبارت ہے۔ اس کی خلاق طبیعت کا مواج سمندر ہمیشہ مہتاب غزل کے کامل ہونے کے انتظار میں رہتا ہے تاکہ جوار بھاٹا جنم لے سکے جو ان گنت صدف ساحل آشنا کرنے پر قادر ہوتا ہے اور جن میں سے بیشتر انمول سطروں کے گہر اس کے دست ہنر کے لمس سے کسی اچھوتی نظم کے سلک میں پروئے جانے کے لیے سینہ کشا ہوتے ہیں۔

تمہید کی غزلیں عباس تابش کے فن کی جذبی اساس ہیں۔ اگر ایک انسان محبت کے الاؤ میں جل رہا ہو اور اس کا محبوب اس الاؤ کی بھڑک سے آشنا ہی نہ ہو تو انسان سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کتنا بے مایہ ہوتا ہے۔ اس کا ادراک صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس آگ میں جھلس چکے ہوں اگر یہ محبت ''شاعری کی محبت ہو'' اور یہ الاؤ ''ہنر پر گرفت'' کی خواہش نے بھڑکا رکھا ہو تو اس آگ میں جھلسنے والے کا حال اللہ کے سوا کوئی اور نہیں جان سکتا کہ دنیا تعلقاتِ عامہ کی تپش کے سوا کسی اور آگ سے آشنا نظر نہیں آتی۔ تمہید اسی تپش کے درمیان

ایک ایسے آتش کدے کی مثال ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے عباس تابش کے لیے گلزار کر دیا۔ اس کی سطروں میں گلوں کی مہک' اس اندرونی کرب کا پتہ دیتی ہے جسے گرمیٔ تعلقات عامہ سے لطف گیر افراد سمجھ ہی نہیں سکتے۔

چراغ صبح جلا کوئے ناشناسی میں
اک اور دن کا اضافہ ہوا اداسی میں

عباس تابش کے نزدیک شعر ایک ذاتی واردات کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ اسے کوئی نظریہ یا کوئی فلسفہ نہیں سمجھتا' اگر اس کے اشعار پڑھتے ہوئے آپ پر بھی وہی کیفیات وارد ہوتی چلی جائیں تو ٹھیک ہے ورنہ دوسری صورت میں عباس تابش آپ کو مجبور تامل نہیں کرے گا کہ یہ اس کا مسلک نہیں۔ وہ تو اپنی بات اپنے انداز میں کرتا چلا جاتا ہے۔ کوئی اس کے تجربے کا حصہ دار ٹھہرتا ہے تو ٹھیک ہے اور اگر کوئی اس کے تجربے کا حصہ دار نہیں بن پاتا تو بھی ٹھیک ہے کہ عباس تابش اپنی طبیعت میں نیاز رکھتے ہوئے بھی ذرا سا ہٹ دھرم واقع ہوا ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ ایک صاحب اسلوب فنکار کا ذرا سا ضدی ہونا فطری طور پر ضروری ہوتا ہے کیونکہ سمجھوتے کا رویہ ایک شاعر کو ''مقبول شاعر'' کے درجے پر تو فائز کر سکتا ہے' ''صاحب اسلوب شاعر'' ہرگز نہیں بننے دیتا۔ وہ شعراء جو اپنے مخصوص اسلوب کے ساتھ ساتھ مقبول بھی ٹھہریں ان کے معاملے میں سمجھوتہ قاری کی طرف سے ہوتا ہے۔ غالب ایک ایسی ہی مثال ہے۔

تمہید کو پڑھتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ تمہید کا قاری بالآخر عباس تابش سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہو جائے گا کیونکہ اس کی غزلوں میں نمایاں جذبی اساس پر استوار ہونے والے شہر سخن کے فلک بوس بلند و بالا میناروں کا پہلا روپہلا منظر' تمہید میں شامل نظموں کے چمکیلے پیش منظر پر مشتمل ہے۔

یہ مجموعہ کلام غزل پرستوں کے لیے ایک تازہ و تر برگ سبز کا درجہ رکھتا ہے تو نظم پرستوں کے لیے مستقبل کی دھند کے پیچھے ایک جھلمل شہر کے بس چکنے کی نوید ہے۔ تمہید کے پہلے مطالعے نے مجھے ایک آوارہ بادل کے سنہری کناروں کی یاد دلائی۔ اس آوارہ بادل کے پیچھے روشن سورج کی نورانی تپش کا اندازہ وہی لوگ کر سکیں گے جو ایک بار پلٹ کر یہ دیکھنا پسند کریں

ebooksgallery.com

ے کہ جب وہ 25 برس کے تھے تو ان کے دامن میں کیا تھا؟

تمہید میں عباس تابش نے بنیادی بات کیا کی ہے؟ تمہید میں در آنے والا بنیادی سوال کیا ہے؟ آپ مجھ سے یہ بات پوچھنے کا حق رکھتے ہیں اور میں اس سوال کا جواب ضرور دوں گا۔

عباس تابش کہتا ہے

- تجھے قریب سمجھتے تھے گھر میں بیٹھے ہوئے
تری تلاش میں نکلے تو شہر پھیل گیا

مری خندق میں اس کے قرب کی قندیل روشن ہے
مرے دشمن سے کہہ دینا میں اس سے پیار کرتا ہوں

یوں تھوک نہ مجھ پر مرے ہارے ہوئے دشمن
یہ مری کماں ہے، یہ مرے تیر پڑے ہیں

چند دنوں کو حسب ہنر چاہیے
اس کو دیوار دے، مجھ کو سر چاہیے
چند لمحوں کی شوریدگی کیا کروں
یہ تسلسل مجھے عمر بھر چاہیے

پہلے ہڈی کے گودے سے خط لکھتے ہیں یار کو
پھر زنبیل میں رکھ لیتے ہیں کاغذ توڑ مروڑ کے

تیرے لیے چراغ دھرے ہیں منڈیر پر
تو بھی اگر ہوا کی مثال آ گیا تو بس

نقش خیال پہ ہیں لفظ رکھ رہا
نہیں بنانے کا یارا، مگر بناتے ہیں

دھرنا ہے کہیں تو یہ گرانباری خاطر
زانو جو نہیں سر کے لیے میز بہت ہے

اب کا موقع بھی یوں ہی اکارت گیا، بولنا بھی مرا یوں ہی غارت گیا
اس دفعہ بھی اسے میں نے آواز دی، لیکن اس نے سنا اس دفعہ بھی نہیں

یوں تو سبھی کو عشق نے سونپی ہیں شہرتیں
لیکن کبھی کوئی گمنام ہی سہی
گر کر ہی ٹوٹنا ہے تو اے پیکرِ غبار
بامِ بلند و زینۂ ایام ہی سہی
کوئی تو ہو کہ جس سے گلے مل کے روئیں ہم
گر تم نہیں تو گھر کے در و بام ہی سہی

ہر ناکامی نے ایسے بھی کچھ دیواریں کھینچی ہیں
اک بے نقش شہر بنا ہے لا حاصل تدبیروں کا

درج بالا تمام اشعار زندگی کو ایک رخ سے دیکھنے کی کوشش مگر دوسرے رخ کے سامنے آ جانے کی داستان سناتے ہیں اور پھر ان دونوں رخوں کے درمیان زندگی بسر کرنے کی کاوش کا اظہار کرتے ہیں، مگر یہ تمام خواہشیں کاہشیں قرار پا جاتی ہیں اور زندگی لا حاصل تدبیروں کے بسائے ہوئے ایک بے نقش شہر کی مثال بن کے رہ جاتی ہے، یہ بات تجربے کی ہے، اگر کوئی اس تجربے سے نہیں گزرا اور اسے ان گنت فلاسفہ اور اہلِ دانش کے اقوال یاد ہیں اور وہ انہیں حتی

ebooksgallery.com

سچائیاں گرواتا ہے تو عباس تابش کے درج بالا اشعار اس کی تشفی نہیں کر پائیں گے اور شاید انہی حضرات کے لیے عباس تابش کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا جو کچھ یوں ہے

یہ ہم کو کون سی دنیا کی دھن آوارہ رکھتی ہے
کہ خود ثابت قدم رہ کر ہمیں سیارہ رکھتی ہے

اگر عباس تابش کے دوست "کفِ خیال پہ عکسِ نشاطِ رنگ ترا" نہیں بنانے کا یارا اگر بناتے ہیں' جیسے اشعار میں پنہاں کرب سے نہیں گزرتے تو کم از کم وہ اتنا ضرور سوچ سکتے ہیں کہ عالمی منظر' معلوم تاریخ میں جوں کا توں رہنے پر بھی انہیں کون سی دنیا کی دھن آوارہ رکھتی ہے اور اگر اب بھی وہ عباس تابش کے بنیادی سوال سے آگاہ نہیں ہو پائے تو وہ عباس تابش کی اس فریاد کو ہی سوال کر دان لیں تو ان کی بڑی مہربانی ہوگی۔

میرے سینے سے ذرا کان لگا کر دیکھو
سانس چلتی ہے کہ زنجیر زنی ہوتی ہے؟

اگر آپ کے پاس اس سوال کا جواب ہے تو پھر جان لیں کہ عباس تابش نے تمہید میں کوئی سوال نہیں اٹھایا ہے البتہ اس نے کچھ خواب ضرور دیکھے ہیں اور وہ خواب "باغ جناح" میں تجسیم پا گئے ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل عباس تابش کی منزل فن کی طرف اس پہلے جرأت مندانہ مگر بہت ہی سنبھلے ہوئے قدم کے جمنے اور اگلے قدم کے رکھنے کے لیے مضبوط اور پاؤں پکڑنے والی زمین مرحمت فرمائے کہ اس کی رضا کے بغیر ہر انسانی کوشش پادر ہوا رہ جاتی ہے۔

خالد احمد

6-اے نسبت روڈ لاہور

22-جون 1986ء

عباس تابش

دور سے ہر کوئی خوبصورت لگتا ہے یہاں تک کہ اپنی بیوی بھی اچھی لگتی ہے مگر جونہی درمیانی فاصلہ ختم ہوتا ہے یہ خوبصورتی بھی ختم ہو جاتی ہے لیکن عباس تابش دور سے یوں لگتا ہے جیسے ابھی قریب آ کر بڑھک مارے گا یا مارنے لگے گا۔ وہ چلتے وقت ادھر ادھر یوں دیکھتا ہے جیسے مارنے کے لیے پتھر ڈھونڈ رہا ہو لیکن جوں جوں وہ قریب آتا ہے اس کی جون بدلتی جاتی ہے یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی شخصیت کے گرد محبت کا ایک ایسا ہالہ ہوتا ہے جس میں آ کر ہر چیز خوبصورت ہو جاتی ہے مگر عباس نے کم ہی لوگوں کو اس ہالے تک پہنچنے دیا ہے۔

عباس کی عمر کیا ہے؟ اسے خود پتہ نہیں۔ جوں جوں اس کے مسائل بڑھتے رہے وہ کچھ زیادہ بڑا ہو رہا ہے حالانکہ وہ عین بچپن میں بوڑھا ہو گیا تھا۔ دیکھنے میں عباس اس عمر کا لگتا ہے جس میں سب سے آسان کام شعر کہنا ہے مگر عباس نے نوجوانوں کے لیے شعر کہنا اتنا ہی مشکل بنا دیا ہے جتنی اس نے مشکلیں سہی ہیں۔ اس کے سکھ کے ساتھی اس کے دکھ ہیں' جن کے ساتھ وہ وہی سلوک کرتا ہے جو مشرق میں عورت کے ساتھ ہوتا ہے یعنی انہیں چھپا چھپا کر رکھتا ہے۔ جس دن اسے کوئی مسئلہ نہ ہو سارا دن پریشان رہتا ہے۔

عباس تابش بیٹھا ہوا ہو تو یوں لگتا ہے جیسے اس نے کبھی حرکت ہی نہیں کی اور جب چلنے لگے تو یقین نہیں آتا کہ رکاوٹ کے بغیر رک سکے گا۔ چلتا تو پاؤں کا زمین سے گفتگو کرتا ہے اور شہر لاہور کی گلیوں سے ساری ساری رات جتنی باتیں ناصر کاظمی اور عباس تابش نے کی ہیں شاید ہی کسی نے کی ہوں۔ شہر آسمان کی بھروانی لگا سڑکوں کی صورت تانگیں پسار کر لیتا نہیں اور عباس کے پاؤں نے اس سے سرگوشیاں شروع کی نہیں' جوں جوں رات بھیگتی جاتی ہے

ebooksgallery.com

یاؤں کی آواز بلند ہوتی جاتی ہے۔ رات ختم ہو جاتی ہے مگر اس کی باتیں ختم نہیں ہوتیں۔

عباس خواتین کے پردے کے اس قدر حق میں ہے کہ عورتوں سے ہمیشہ پردے میں باتیں کرتا ہے یہی نہیں بلکہ ان کی باتوں پر بھی پردے ڈالتا رہتا ہے۔ عورتوں کے پاس یوں بیٹھتا ہے جیسے اعتکاف میں بیٹھا ہوا ہو یعنی ان کی سنتا ہے نہ سناتا ہے۔ اتنا ٹھنڈا آدمی ہے کہ اسے اس عمر میں بھی گرمی نہیں لگتی۔ لیکن میرا دوست ''ف'' کہتا ہے کہ عباس تابش بڑا کامیاب خاوند ثابت ہوگا کیونکہ جو خالد احمد کے ساتھ گزارا کر سکتا ہے وہ ہر قسم کی بیوی کے ساتھ رہ سکتا ہے۔

عباس تابش کا منہ اتنا بڑا ہے کہ جو بات کرے چھوٹی لگتی ہے۔ رنگ ایسا کہ نہا کے آ رہا ہو تو یوں لگتا ہے جیسے ابھی نہانے جا رہا ہے۔ ایک سر جس پر اس نے کئی لوگوں کو چڑھا رکھا ہے۔ عباس اس سر کو اپنی بات دوسروں کو سمجھانے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب خود بھی اسے کسی بات کی سمجھ نہ آئے تو اپنے آپ کو سر ہلا ہلا کر سمجھانے لگتا ہے مگر سر بوڑھی عورتوں کی طرح ہلاتا ہے یعنی ہمیشہ اثبات میں۔

دوست وہ ہوتا ہے جس سے گفتگو کرنے کے لیے انسان لفظوں کا محتاج نہ ہو اس لیے میں اور عباس گھنٹوں مل کر خاموش بیٹھتے ہیں اور جب عباس کا دل گفتگو کرنے کو چاہتا ہے وہ اپنے آپ سے باتیں کرنے لگتا ہے۔ وہ دشمن نہیں بناتا مگر اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ ایسے ہی جیسے میں اس کا دوست بن گیا ہوں۔ وہ دوستوں کا اس قدر خیال رکھتا ہے کہ اگر کبھی بیمار ہو جائے تو خود گھر گھر جا کر عیادت کرواتا ہے۔ مستقل مزاج اتنا کہ پانچ سال قبل جن سے دھوکا کھاتا تھا آج بھی انہی سے دھوکا کھاتا ہے۔ اگر وہ کسی مسئلے پر پریشان ہو تو سمجھ لیں یہ اس کے کسی دوست کا مسئلہ ہے۔ اگر وہ خوش ہو تو دو وجوہ ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مشاعرہ پڑھنے جا رہا ہے اور دوسری یہ کہ مشاعرہ پڑھ کر آ رہا ہے۔ اسے جہاں اور جس وقت مشاعرہ ملے لوٹ لیتا ہے۔

عباس تابش کو ملنے کے بعد بھی اس سے آدھی ملاقات ہی ہو سکتی ہے کیونکہ یہ بیٹھا تو آپ کے پاس ہوتا ہے مگر نصف۔ اور اس کا نصف بہتر ہمیشہ خیالوں میں ہوتا ہے۔ عباس کو

انگریزی سے اس قدر لگاؤ ہے کہ اس نے جتنی بار بھی بی اے کا امتحان دیا انگریزی کا پرچہ ضرور دیا۔

بڑا حساس آدمی ہے۔ دوسروں سے اس کو اکثر ہمدردی ہو جاتی ہے اور اس کے لیے دوسرے کا مصیبت میں مبتلا ہونا ضروری نہیں بس خوبصورت ہونا البتہ ضروری ہے۔ اسے دنیا کا ہر خوبصورت انسان مظلوم نظر آتا ہے۔

عباس اپنی نسل کے شاعروں میں سب سے آگے ہے مگر وہ وقت دور نہیں جب اس کا پیٹ اس سے بھی آگے نکل جائے گا۔ اس کی صحت مندی کا راز وہی ہے جو ہماری مندی صحت کا ہے یعنی سوچیں۔ وہ خوش خوراک ہے یعنی ہر خوراک کھا کر خوش ہوتا ہے۔ دوستوں کو ہر وقت بیدار دیکھنا چاہتا ہے اسی لیے اکثر رات کو دو تین بجے مجھے ہوسٹل میں آ کر خواب غفلت سے جگا دیتا ہے۔ وہ لمبا فاصلہ پیدل طے کرتا ہے۔ اگر زیادہ قریب جانا ہو تو رکشہ لے لیتا ہے۔

وہ بے وقوفی کی حد تک مخلص ہے یعنی ہر کسی کے ساتھ مخلص ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی اس کا برا کرے یہ اس کا بھلا کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے آدمی وہی کچھ کرتا ہے جو کر سکتا ہے آج کل ہر شخص دوسرے کو کیمرے کی آنکھ سے دیکھتا ہے یعنی صرف ظاہر ہی کو دیکھتا ہے مگر عباس اس دور میں بھی انسان کو آنکھ سے دیکھتا ہے اس کا تو پورا وجود آنکھ ہے جو مسلسل شب و روز بیداری کے باعث سوجتی جا رہی ہے۔

عباس چشمہ بھی لگاتا ہے مگر دوسروں کی باتیں سنتے وقت تاکہ دوسروں کو پتہ نہ چل سکے کہ سو رہا ہے یا جاگ رہا ہے مگر اپنی بات سناتے وقت چشمہ اتار لیتا ہے کبھی کبھی قمیض کے بازو بھی اوپر چڑھا لیتا ہے۔ عباس گا بھی لیتا ہے مگر اس کے گانے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ دوسروں کو سنائی نہیں دیتا۔ کبھی کبھی تو اتنے درد سے گنگناتا ہے کہ سننے والے کو یقین ہو جاتا ہے کہ اسے درد ہو رہا ہے۔

عباس کو غزل لکھنے کی اتنی ہی فکر ہوتی ہے جتنی غریب والدین کو اپنی خوبصورت بیٹی کی شادی کی۔

عباس تابش ایک پروف ریڈر بھی ہے۔ اس کی نگاہیں ہر وقت کاغذ پر دوڑتی رہتی

ebooksgallery.com

ہیں اور جہاں غلطی نظر آئے رک جاتی ہیں اور اس کا ہاتھ بے اختیار اس پر دائرہ لگا دیتا ہے اس کی نگاہیں انسانی لفظوں کو پڑھتی رہتی ہیں اور دائرے بڑھتے رہتے ہیں وہ ہر آن بڑھتے ہوئے دائروں کے درمیان ہے۔ اگر وہ شاعر نہ ہوتا تو یہ دائرے اس حساس شخص کا دائرہ حیات تنگ کر دیتے" اسی لیے تو میں کہتا ہوں" اگر وہ شعر نہ کہتا تو مر گیا ہوتا۔"

محمد یونس بٹ

حمدیہ

نہ صدا کا سمت کشا ہوں میں
نہ ورق پہ میرا وجود ہے
مرے حرف میں وہ چمک نہیں جو ترے خیال کی چھب میں ہے
مرا انگ کیا مرا ڈھنگ کیا
سرِ خامہ روح کا دُود ہے
یہی میرا رازِ شہود ہے
میں شکست خوردہ خیال ہوں مجھے آیتوں کی کمک ملے
مجھے آگہی کی چمک ملے
مجھے درسِ عبرتِ شوق دے
مری انگلیوں کو پکڑ کے حرفِ جنوں پہ رکھ
رہِ خواندگاں پہ مری کجی مری گمرہی کو بھی ڈال دے
نہ قلم پکڑنے کا ڈھنگ ہے نہ ورق ہے میری بساط میں

ebooksgallery.com

مرا منہ چڑاتی ہے لوحِ گل
ابھی وہ ورق نہیں سامنے ترا پاک نام کہاں لکھوں
کہ سپیدیِ صفحۂ صاف کی مری آنکھ میں ہے بھری ہوئی
جہاں کوئی سطر ہے خواب کی نہ خرامِ موجۂ اشک ہے
مجھے خوابِ خوش سے نواز دے کہ یہ چشم وا بھی عذاب ہے
میں تہی نوا
میں تہی ثنا
میں لکھوں گا کیا؟
مگر اے خدا مری پوٹلی میں جو تیرے دھیان کی جوت ہے
یہی رت جگا مرا مال ہے
یہی مال میرا کمال ہے

○

کھڑی ہیں رہ میں درودوں کی ڈالیاں لے کر
یہ مدحتیں ہیں کہ ہیں بچیاں مدینے کی

ebooksgallery.com

باغ جناح

(1)

کہیں پیڑوں کے جھنڈ ہیں
کہیں پیڑوں کے جھنڈ، جھنڈ میں جھیلوں کی چشمکیں
کہیں چشمِ گلاب خیمۂ نکہت فشار ہے
کہیں شاخوں پہ جھولتے ہوئے پھولوں کی تازگی
کسی ہیجان کی طرح مرے سینے پہ بار ہے
ابھی تک انتظار ہے!
ابھی تک انتظار ہے
کسی روشن خیال کا، کسی خندہ جمال کا
ابھی تک انتظار ہے

(2)

مری جنت نشیں تو آ گئی میرے کنار میں۔ مری آنکھوں کی منتیں
ترے قدموں سے لگ کے آج زرگل تک آ گئیں

بہت اچھا کیا تو آ گئی میرے کنار میں
کسی بستر کی سلوٹوں کی طرح رات بھر الجھ
سحر نو بہار میں
بہت اچھا کیا تو آ گئی میرے کنار میں
کہ یہی انتظار تھا
مرے دست شجر طراز میں خوئے فشار دیکھ
نہ سر مزرعِ بدن کف مو میں خمار دیکھ
کہ یہ پیڑوں کا جھنڈ ہے یہاں کوئی نہ آئے گا
مری جنت نشیں یہاں سے نکلنا نہ چاہیے
کبھی جنت بدر ہوئے تو معیشت کی گٹھڑیاں در جنت پہ ڈھیر ہوں
کسی پاپوش کی مثال مقابر کی سیڑھیوں پہ دھرے رہ نہ جائیں ہم
یہیں رک جا کہ گھر بسائیں گے بابا کے باغ میں
انہیں پیڑوں کے آس پاس
ہر جھیل کے قریں
چلو اب خوش طلب سے بھریں جھولیاں یہیں
کہ یہی خلد آئینہ
مرے بابا کا باغ ہے!

ebooksgallery.com

○

بس دعا نہ رہیں کیوں اداسیاں میری
حجاب ہیں مرے منہ پر ہتھیلیاں میری

مجھے یہ ڈر ہے کوئی کاٹ کر نہ لے جائے
بہشتِ خواب سے باہر ہیں ٹہنیاں میری

بس اتنا حصہ ہے میرا مکان ہستی میں
فصیل اور کسی کی ہے کھڑکیاں میری

ابھی نہ ڈال بڑھاپے کی ظلمتوں میں مجھے
ابھی نہ اور بجھا موم بتیاں میری

اور اب تو ڈور بنا کر لہو کے مانجھے سے
بسنت رت نے اڑا دی ہیں دھجیاں میری

میں دم بخود گلِ نغمہ ہوں شاخِ ہستی کا
ہوا چلے تو بکھرتی ہیں پتیاں میری

نہ جانے کون مرا کھو گیا ہے مٹی میں
زمیں کریدتی رہتی ہیں انگلیاں میری

ebooksgallery.com

○

میں اس کی آہٹیں چن لوں میں اس سے بول کر دیکھوں
گلی میں کون پھرتا ہے دریچہ کھول کر دیکھوں

اور اب یہ سوچتا ہوں کیا تہِ داماں پڑے رہنا
کسی مشعل کی لو ٹھہروں ہوا میں ڈول کر دیکھوں

یونہی شاید تسلی ہو مری خستہ مزاجی کی
میں اپنی خاک ہی کوئے ہنر میں رول کر دیکھوں

یہ کیسی بیدِ مجنوں کی تمنا مجھ میں در آئی
کہ میں بھی خود میں پیدا یہ انا کا جھول کر دیکھوں

مرے بھی سر پہ رکھا ہے جنوں اسباب کی صورت
ملے فرصت تو اس گٹھڑی کو میں بھی کھول کر دیکھوں

نہ وہ آوارگی مجھ میں نہ وہ آشفتگی مجھ میں
میں کس معیار پر اپنی وفا کو تول کر دیکھوں

ebooksgallery.com

○

تیری آنکھوں سے اپنی طرف دیکھنا بھی اکارت گیا
یعنی پہچان کا یہ نیا سلسلہ بھی اکارت گیا

یوں حنائی لکیریں اُڑیں اجنبی طائروں کی طرح
پر بریدہ سا رنگِ کفِ صد حنا بھی اکارت گیا

اب کھلا ہے کہ میرا ترے رنگ میں تیرے انداز میں
بولنا ہی نہیں دیکھنا سوچنا بھی اکارت گیا

سن رہا ہوں ابھی تک میں اپنی ہی آواز کی بازگشت
یعنی اس دشت میں زور سے بولنا بھی اکارت گیا

وہ زلیخائی خواہش ہی اپنے سبب سے پشیماں نہ تھی
ساتویں در کے اندر مرا حوصلہ بھی اکارت گیا

کوئی لو تک نہ دی کالے پیڑوں کو اس آتشیں رقص نے
یعنی جنگل میں اس مور کا ناچنا بھی اکارت گیا

ebooksgallery.com

○

نقش سارے خاک کے ہیں سب ہنر مٹی کا ہے
اس دیارِ رنگ و بو میں بست و در مٹی کا ہے

کچھ تو اپنی گردنیں کج ہیں ہوا کے زور سے
اور کچھ اپنی طبیعت میں اثر مٹی کا ہے

چاندنی خنداں ہے اپنے حجرۂ مہتاب پر
اور میں نازاں ہوں اس پر میرا گھر مٹی کا ہے

رحمتیں برسا کے بھی ابرِ کرم چھٹتا نہیں
ایسے لگتا ہے کہ سایہ چرخ پر مٹی کا ہے

خاک سے اٹھتے نہیں چلتی ہوا کے ساتھ ہم
عجزِ خاطر پر بہت گہرا اثر مٹی کا ہے

اک نمونہ ہے کوزہ کی صنعت تمثال کا
یہ جو کھڑکی ہے صدا کی یہ جو گھر مٹی کا ہے

کیوں نہ خوئے خاک سے خستہ رہے میری انا
پا بہ گل ہوں اور خمیر معتبر مٹی کا ہے

ebooksgallery.com

○

ابھی سے لائے ہو کیوں دل کی راہ پر اس کو
بھٹکنے دینا تھا کچھ دن اِدھر اُدھر اس کو

کبھی فصیل سے باہر کبھی فصیل کے بیچ
تلاش کرتی پھری شاخِ بے ثمر اس کو

وہ مشتِ خاک کہ اڑنے سے آشنا ہی نہ تھی
لگا دیے ہیں تمنا نے بال و پر اس کو

نہ جانے کب وہ مجھے چھوڑ کر چلا جائے
میں زندگی کی طرح کر چکا بسر اس کو

اس اختصار کی تفصیل کون دیکھے گا
بکھر گیا ہوں میں کتنا سمیٹ کر اس کو

نہ خواب ہی سے جگایا نہ انتظار کیا
ہم اس دفعہ بھی چلے آئے چوم کر اس کو

وہ جس کا نام بھی سننا ہمیں پسند نہ تھا
کیا ہے روز کے جھگڑوں نے معتبر اس کو

چلا گیا تھا وہ کشتی میں بیٹھ کر تابش
ہوا ہے شہر میں کیا، اس کی کیا خبر اس کو

ebooksgallery.com

احمد ندیم قاسمی کے لیے ایک نظم

مرے بادشہ تری خیر ہو
تری شہ نشیں کے جوار میں
مرے دست و لب پہ دعائیں ہیں
تجھے رب حسنِ حیات دے
ترے حرف تیری مثال ہوں
مرے بادشہ تری خیر ہو!
کبھی اس طرف بھی نگاہ کر
ترے نطقِ تازہ کے روبرو مری خستگی کا غبار ہے
میں تہی قدم
میں تہی حشم
مرا موقلم ابھی رنگ جو بھی ہوا نہیں

مرے منہ میں دانہ حرف دے
کہ درِ سخن پہ فقیر کی کوئی پیش چلتی نہیں ابھی
گلِ دادخواہ کے عہد میں مرے چاک لب ہیں سلے ہوئے
کوئی پھول بھی مرے آئینے میں کھلا نہیں
کوئی مجھ کو مجھ سا ملا نہیں
میں چراغِ خفتہ کی رات میں ترے خوانِ حرف تک آ گیا
مجھے اپنے منہ کی جھال دے
کہیں آشیانۂ ذات سے مری طفلگی نہ پھسل پڑے
مرے منہ میں دانہ حرف دے
ابھی صبح ہونے میں دیر ہے
اسی خامشی کے حجاب میں مری تیرگی کو نواز دے
مجھے رزقِ حرف کا راز دے
ترے ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو مرے ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو
درِ باب حرف و نوا کھلے کہ سنہرے چاند کے طشت میں
کوئی خوشہ چین صدا اترا تجھے پھول دینے کو آیا ہے بڑی دور سے
مرے بادشہ تری خیر ہو

ebooksgallery.com

احمد ندیم قاسمی کے لیے ایک نظم

مرے بادشہ تری خیر ہو
تری شہ نشیں کے جوار میں
مرے دست و لب پہ دعائیں ہیں
تجھے رب حسنِ حیات دے
ترے حرف تیری مثال ہوں
مرے بادشہ تری خیر ہو!
کبھی اس طرف بھی نگاہ کر
ترے نطقِ تازہ کے روبرو مری خستگی کا غبار ہے
میں تہی قدم
میں تہی حشم
مرا موقلم ابھی رنگ جو بھی ہوا نہیں

مرے منہ میں دانۂ حرف دے
کہ درِ سخن پہ فقیر کی کوئی پیش چلتی نہیں ابھی
گلِ دادخواہ کے عہد میں مرے چاک لب ہیں سلے ہوئے
کوئی پھول بھی مرے آئینے میں کھلا نہیں
کوئی مجھ کو مجھ سا ملا نہیں
میں چراغِ خفتہ کی رات میں ترے خوانِ حرف تک آ گیا
مجھے اپنے منہ کی جھال دے
کہیں آشیانۂ ذات سے مری طفلگی نہ پھسل پڑے
مرے منہ میں دانۂ حرف دے
ابھی صبح ہونے میں دیر ہے
اسی خامشی کے حجاب میں مری تیرگی کو نواز دے
مجھے رزقِ حرف کا راز دے
ترے ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو مرے ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو
درِ بابِ حرف و نوا کھلے کہ سنہرے چاند کے طشت میں
کوئی خوشہ چیں صدا اترا تجھے پھول دینے کو آیا ہے بڑی دور سے
مرے بادشہ تری خیر ہو

ebooksgallery.com

○

چراغ صبح جلا کوئے ناشناسی میں
اک اور دن کا اضافہ ہوا اداسی میں

تری نظر کے اشاروں پہ آئینہ نہ ہوا
یہ دل کہ طاق بہت تھا سخن شناسی میں

دکھائی دے نہ مجھے وحشتِ جمال کے ساتھ
نشاطِ عشق نہ کھو جائے بدحواسی میں

جنوں رہینِ قبا ہو تو اس سے پوچھوں بھی
کہ کتنا لطف میسر تھا بے لباسی میں

نہ روزِ ابرِ سیہ تھا نہ ماہتاب کی رات
گلاس ٹوٹ گیا کیسی بدحواسی میں

ebooksgallery.com

○

چاند کا پتھر باندھ کے تن سے اتری منظرِ خواب میں چپ
چڑیاں دور سدھار گئیں اور ڈوب گئی تالاب میں چپ

لفظوں کے بٹوارے میں اس چیخ بھرے گہوارے میں
بول تو ہم بھی سکتے ہیں پر شامل ہے آداب میں چپ

پہلے تو چوپال میں اپنا جسم چٹختا رہتا تھا
چل نکلی جب بات سفر کی پھیل گئی اعصاب میں چپ

اب تو ہم یوں رہتے ہیں اس ہجر بھرے ویرانے میں
جیسے آنکھ میں آنسو گم ہو جیسے حرف کتاب میں چپ

اپنی آہٹ کو بھی اپنے ساتھ نہیں لے جاتے وہ
تیری راہ پہ چلنے والے رکھتے ہیں اسباب میں چپ

ebooksgallery.com

○

کس دستِ کماں دار کی تدبیر سے پہنچا
یہ آگ کا شعلہ مجھے کس تیر سے پہنچا

دروازہ کھٹکنے کی صدا لے گئی گھر سے
پیغامِ رہائی مجھے زنجیر سے پہنچا

اس بار بھی میں اس بتِ عیار کے دل تک
دیوار پہ لکھی ہوئی تحریر سے پہنچا

لازم تھا پہنچنا مرا دربارِ سبا تک
سو میں بھی وہاں راہِ اساطیر سے پہنچا

زینے کے بھروسے نہ کمندوں کے سہارے
میں بام تلک جادۂ تعمیر سے پہنچا

پہنچے تو سبھی بارگہِ حسن میں لیکن
جلدی کوئی آیا کوئی تاخیر سے پہنچا

اب بات جو ہو پاتی نہیں مجھ سے عزیزاں
اس حال کو میں نالۂ شب گیر سے پہنچا

یہ میں ہوں سلامت یہ مرا دل ہے سلامت
آزار کہاں آپ کی تعزیر سے پہنچا

ebooksgallery.com

○

انسان تھا آخر تو مرا رب تو نہیں تھا
یہ اوجِ تغافل ترا منصب تو نہیں تھا

پہلے بھی ہم اک بار جدا تجھ سے ہوئے تھے
لیکن یہ چراغاں کا سماں جب تو نہیں تھا

بیٹھے تھے یونہی ہم تری دیوار سے لگ کر
اے جاں ہمیں تجھ سے کوئی مطلب تو نہیں تھا

یہ سہو مرے دل سے ہی سرزد ہوا ورنہ
اس شخص کی پوجا مرا مذہب تو نہیں تھا

پہلے بھی میں اس آنکھ سے ٹپکا تھا کئی بار
یکساں مجھے مٹی سے کیا جب تو نہیں تھا

کس بات نے مبہوت رکھی وصل کی ساعت
اس آنکھ سے ظاہر کوئی کرتب تو نہیں تھا

کل شب بھی یہی چاند تھا افلاک پہ روشن
اس طرح کا ارماں ہمیں کل شب تو نہیں تھا

کیوں اس کے اشارے پہ اتر آیا تہِ آب
تابش ترا چہرہ مہِ نخشب تو نہیں تھا

ebooksgallery.com

○

راتیں گزارنے کو تری رہگزر کے ساتھ
گھر سے نکل پڑا ہوں میں دیوار و در کے ساتھ

دستک نے ایسا حشر اٹھایا کہ دیر تک
لرزاں رہا ہے جسم بھی زنجیر در کے ساتھ

کشکول تھامتے ہیں کفِ اعتبار سے
کرتے ہیں ہم گداگری لیکن ہنر کے ساتھ

اب کس طرح یہ ٹوکری سر پہ اٹھاؤں میں
سورج پڑا ہوا ہے مرے بام و در کے ساتھ

سورج اسی طرح ہے یہ مہتاب اسی طرح
ڈھلتے رہے ہیں یار ہی شام و سحر کے ساتھ

یوں ہے مری اڑان پہ بھاری مرا وجود!
جیسے زمیں بندھی ہو مرے بال و پر کے ساتھ

تابش مجھے سفر کی روایت کا پاس تھا
سو میں بھی رہ بنا کے چلا رہگزر کے ساتھ

ebooksgallery.com

اسے میں نے نہیں دیکھا

وہ کیسی ہے
اسے میں نے نہیں دیکھا
سنا ہے وہ زمیں زادی
دھنک سے اپنے خوابوں کے افق گل رنگ رکھتی ہے
مرے خاشاک سے آگے کسی منظر میں رہتی ہے
ہوا کے گھر میں رہتی ہے
وہ کس سورج کا حصہ ہے
وہ کس تارے کی مٹی ہے
اسے میں نے دیکھا
مری آنکھوں سے لے کر اس کی آنکھوں تک کے معلوم ہے
کتنے ستارے ہیں
مجھے کیا علم وہ کس رنگ کے کپڑے پہنتی ہے

وہ خالی برتنوں میں اپنا دن کیسے بتاتی ہے
وہ خوشیاں ڈھونڈتی ہے اور خود کو بند الماری میں رکھ کر
بھول جاتی ہے
وہ گھر کے لان میں بیٹھی بہت کچھ سوچتی ہوگی
کہ میرا رنگ کیسا ہے
مری آنکھوں کے روشن قمقموں میں تاب کتنی ہے
مری شریان میں سہمے ہوئے بچوں پہ کیا گزری
وہ کس رستے پہ چل نکلے کہ اپنے گھر نہیں پہنچے
وہ اکثر سوچتی ہوگی
مرے کمرے میں بوڑھی فاحشہ تنہائی کے ہوتے
مرے دن کیسے کٹتے ہیں
مری بے خواب راتیں کن خیالوں میں گزرتی ہیں
کہاں عشق گریزاں کی کہانی ختم ہوتی ہے
وہ گھر کے لان میں بیٹھی یہی کچھ سوچتی ہوگی
کہ میرے نام کے پیچھے مری تصویر کیسی ہے
مرے خط بھی نہیں اس کے تصرف میں
کہ ان کو کھول کر میرے بدن کے راز تک پہنچے
مجھے اس نے نہیں دیکھا

ebooksgallery.com

نہ میں نے اس کو دیکھا ہے
نہ اس نے مجھ کو دیکھا ہے
مگر اپنی محبت میں عجب حسن توازن ہے
وہ اکثر سوچتی ہوگی
میں کتنا اپنے دفتر میں ہوں کتنا گھر کی خلوت میں
وہ مجھ کو مجھ پہ ہی تقسیم کر کے دیکھتی ہوگی
مجھے محسوس ہوتا ہے
کوئی دل چیرتی خوشبو مجھے آواز دیتی ہے
مگر آواز کے پیچھے کوئی چہرہ نہیں ہوتا
وہ مجھ کو دیکھ لیتی ہے
مگر میری بصارت میں مہک چہرہ نہیں پاتی
کہ خوشبو کس نے دیکھی ہے
صدا کو کس نے پکڑا ہے
مکانی دوریاں کیسی؟ زمانی قربتیں کیسی؟
وہ میرا جسم ہے لیکن اُسے میں نے نہیں دیکھا

○

یہ دن بھی تمام کر رہا ہوں
پانی کے چراغ بھر رہا ہوں

پلکوں کے چراغ بجھ نہ جائیں
اشکوں کی سبیل کر رہا ہوں

یہ رت بھی خیال ہو نہ جائے
کس رت کے لیے سنور رہا ہوں

مجھ کو یہ کہاں اُگا دیا ہے
پانی کی رو سے ڈر رہا ہوں

ebooksgallery.com

○

نوچ کے سارے پھول طلب کے آس کی شاخیں توڑ کے
آج تو اپنے آپ سے بھی میں بیٹھ رہا منہ موڑ کے

آنکھوں میں یہ خواب اترا یا بے ترتیب سوال نے
پانی پر تصویر بنائی عکس کے ٹکڑے جوڑ کے

کم سن رات کی صورت روشن روز بہار کا
تیرے ساتھ چلا جاتا ہے صبح کا رستہ چھوڑ کے

کیا کیا خشک زمینیں رستہ دیکھتی ہیں منجدھار کا
کیا کیا دریا رہ جاتے ہیں ساحل سے سر پھوڑ کے

پہلے ہڈی کے گودے سے خط لکھتے ہیں یار کو
پھر زنبیل میں رکھ لیتے ہیں کاغذ توڑ مروڑ کے

ڈھونڈنے نکلا تھا تابش وہ کہساروں میں راستہ
پانی کا دم ٹوٹ گیا فرہاد کا تیشہ توڑ کے

ebooksgallery.com

ے

اب ادھورے عشق کی تکمیل ہی ممکن نہیں
کیا کریں پیغام کی ترسیل ہی ممکن نہیں

کیا اسے سمجھاؤں کاغذ پر لکیریں کھینچ کر
جذبۂ بے نام کی تشکیل ہی ممکن نہیں

ایسے موسم میں بھی شرحِ دل کیے جاتا ہوں میں
جب کہ اس اجمال کی تفصیل ہی ممکن نہیں

کس جگہ انگلی رکھوں کس حرف کو کیسے پڑھوں
آیتِ امکاں تری ترتیل ہی ممکن نہیں

تہمتِ رسوائی کیسے عشق پر رکھتا کوئی
ایسے کاموں میں تو ایسی ڈھیل ہی ممکن نہیں

کنجِ نسیاں میں پڑے دھندلا گئے اس کے نقوش
اب تو اس خوش رنگ کی تمثیل ہی ممکن نہیں

اور بھی کچھ صورتیں بن جائیں گی رسوائی کی
عشق میں تابش فقط تذلیل ہی ممکن نہیں

ebooksgallery.com

○

فقط مال و زر دیوار و در اچھا نہیں لگتا
جہاں بچے نہیں ہوتے وہ گھر اچھا نہیں لگتا

مرے دکھ تک مرے خوں اور پسینے کی کمائی ہیں
تمہیں کیوں میری محنت کا ثمر اچھا نہیں لگتا

شکستہ سطر چاہے رنگ و بوئے پیرہن ٹھہرے
کسی صورت مجھے عجز ہنر اچھا نہیں لگتا

میسر ہو نہ جب تک بوئے تازہ تر کی ہمراہی
ہوا کی طرح گلیوں سے گزر اچھا نہیں لگتا

رہِ تیشہ طلب تیری میں وہ دیوار ہوں جس کو
نہ ہو شوریدگی جس میں وہ سر اچھا نہیں لگتا

گلی میں کھیلتے بچوں کے ہاتھوں کا میں پتھر ہوں
مجھے اس صحن کا خالی شجر اچھا نہیں لگتا

چمکتا ہوں ہر اک مہتاب رو کے روئے روشن میں
میں سورج ہوں مجھے شب کا سفر اچھا نہیں لگتا

جسے دیکھیں وہی پھر دیکھنے کی آرزو ٹھہرے
جسے چاہیں وہی بار دگر اچھا نہیں لگتا

اسی خاطر اسے تابش اچھلنا چاہتا ہوں میں
مجھے تالاب کی تہ میں قمر اچھا نہیں لگتا

ebooksgallery.com

مہ رخ جو گھروں سے کبھی باہر نکل آئے
پسِ منظرِ شب سے کئی منظر نکل آئے

تم اپنی زبانوں سے اسے چاٹتے رہنا
کیا جانیے دیوار میں کب در نکل آئے

کیا ان کو ڈبوئے کسی دریا کی روانی
یہ شہر تو کوزے کے سمندر نکل آئے

دن بھر تو رہے مہرِ جہاں تاب کی صورت
جب رات پڑی بھیس بدل کر نکل آئے

آئے ہیں اگرچہ کئی چہروں سے الجھ کر
لگتا ہے کہ ہم آنکھ بچا کر نکل آئے

آواز تو دو پرتوِ مہتاب کو تابش
ممکن ہے وہ تالاب سے باہر نکل آئے

ebooksgallery.com

خالد احمد کے لیے ایک نظم

ہتھیلیوں پہ چراغ لے کر
دراز پلکوں کے سائے سائے
یہ کون شہرِ ہنر میں اترا
یہ کس نے بابِ سخن پہ تشبیب کا نوشتہ سجا دیا ہے
کہ میری یرقان دیدہ آنکھوں میں روشنی سی اتر رہی ہے
میں اس کو دیکھوں
تو اپنی بالشت قامتی کو ستون دردست اوج سمجھوں
میں اس کی انگلی پکڑ کے اپنے شکستہ قدموں پہ چلنا سیکھوں
مگر وہ نادیدہ منظروں سے
نظر کو زنجیر کر کے بیٹھا ہوا ہے اپنی گلیم بردوش وسعتوں میں

وہ شغلِ گریہ میں کھو گیا ہے
تم اپنے رومال تہ رکھو
اس کو جادۂ نشترِ تسلی پہ یوں نہ کھینچو
اسے نہ چھیڑو
وہ تنگ آیا تو ہنس پڑے گا

ebooksgallery.com

○

اسی لیے تو یہ شامیں اجڑنے لگتی ہیں
کہ لو بڑھا کے ہوائیں سکڑنے لگتی ہیں

میں کیسے اپنے توازن کو برقرار رکھوں
قدم جماؤں تو سانسیں اکھڑنے لگتی ہیں

یونہی نہیں مجھے دریا کو دیکھنے سے گریز
سنا ہے پانی میں شکلیں بگڑنے لگتی ہیں

اسی لیے تو ہوا اپنے گھر نہیں جاتی
کہ اس کے بعد یہ گلیاں اجڑنے لگتی ہیں

رہیں خموش تو ہونٹوں سے خوں ٹپکتا ہے
کریں کلام تو کھالیں ادھڑنے لگتی ہیں

اڑا نہ دوں تو گرفتارِ آئینہ ہو کر
خود اپنے آپ سے چڑیاں جھگڑنے لگتی ہیں

اگر میں سانس بھی آہستہ سے نہ لوں تابش
مرے بدن میں دراڑیں سی پڑنے لگتی ہیں

ebooksgallery.com

سانس کے ہمراہ شعلے کی لپک آنے کو ہے
ایسا لگتا ہے کوئی روشن مہک آنے کو ہے

پھر پسِ پسپائی میرا حوصلہ زندہ ہوا
آسماں سے پھر کوئی تازہ کمک آنے کو ہے

ایک خلقت ہی نہیں ہے بدگمانی کا شکار
اس کی جانب سے مرے بھی دل میں شک آنے کو ہے

ایک مدت سے چراغ سرد سا رکھا ہوں میں
اس توقع پر کہ آنچل کی بھڑک آنے کو ہے

اے سفر کی رائیگانی آبلوں کے ساتھ چل
پھر وہی جنگل وہی سونی سڑک آنے کو ہے

بید مجنوں ہو رہے ہیں تیر کیا تلوار کیا
میرے دشمن میں بھی اب شاید لچک آنے کو ہے

اب تو اس چھت پر کوئی ماہِ شبانہ چاہیے
سایۂ قامت فصیلِ شام تک آنے کو ہے

راستے گم ہو رہے ہیں دھند کی پہنائی میں
سردیوں کی شام ہے پھر اس کا چک آنے کو ہے

ebooksgallery.com

○

اب یہ لاشیں کسی محمل پہ نہ لادی جائیں
میری سوچیں مرے اندر ہی دبا دی جائیں

شب کی شب کوئی نہ شرمندۂ رخصت ٹھہرے
جانے والوں کے لیے شمعیں بجھا دی جائیں

کبھی تصویر کی صورت بھی نکل آئے گی
سادہ کاغذ پہ لکیریں تو لگا دی جائیں

آج پلکوں پہ چراغاں تو کیے پھرتا ہوں
کیا خبر کل یہ منڈیریں بھی بجھا دی جائیں

یونہی شاید مرے احوال پہ رو دے وہ بھی
"میری آنکھیں مرے دشمن کو لگا دی جائیں"

پتلیاں ہیں کہ ہے کندہ کوئی تاریخِ وفات
میری آنکھیں کہیں کتبہ نہ بنا دی جائیں

فرصتِ شوق اگر مل ہی گئی ہے تابش
جتنی رسمیں ہیں محبت کی نبھا دی جائیں

ebooksgallery.com

○

نکلو نہ ابھی پھول سی پوشاک پہن کر
پھرتی ہے یہاں دھوپ خس و خاک پہن کر

کیوں شرم سے سورج نہ جھکا لیتا نگاہیں
آیا تھا کوئی جامۂ صد چاک پہن کر

جب تن پہ نہ کپڑوں کو ٹھہرنے دیں ہوائیں
کیا جسم کو ڈھانپے کوئی افلاک پہن کر

خوش پوشی نہ لے آتی اگر نوکِ سناں تک
جاتا میں کہاں خون کی پوشاک پہن کر

تابش کسی کھونٹی پہ نہیں خرقۂ اسباب
نکلیں تو سہی گھر سے مگر خاک پہن کر

ebooksgallery.com

○

درِ افق پہ رقم روشنی کا باب کریں
یہ جی میں ہے کہ ستارے کو آفتاب کریں

نگہ میں گھومتی پھرتی ہیں صورتیں کیا کیا
کے خیال میں لائیں کے خراب کریں

یہ آرزو ہے کہ پھوٹیں بدن کے خیمے سے
اور اپنی ذات کے صحرا میں رقصِ آب کریں

مرے حروفِ تہجی کی کیا مجال کہ وہ
تجھے شمار میں لائیں ترا حساب کریں

نہیں ہے شہر میں کوئی بھی جاگنے والا
کے کہیں کہ چلو سیرِ ماہتاب کریں

فلک تو گوش بر آواز ہے مگر تابش
نہ ہو زباں ہی منہ میں تو کیا خطاب کریں

ebooksgallery.com

○

میں اس کی راہ میں جب مثلِ رہگذر بیٹھا
وہ دیکھتا تھا مجھے شہ نشین پر بیٹھا

میں اپنے پاس سے اٹھ کر چلا گیا یوں ہی
نہ میں نے حال سنایا نہ لمحہ بھر بیٹھا

تمہارے ساتھ مسائل پہ گفتگو کیا ہو
کہ میں تو خود سے بھی ترکِ کلام کر بیٹھا

اکھڑتے بنتے گئے سب مثالِ نقشِ قدم
کوئی بھی پاؤں نہ مٹی میں گاڑ کر بیٹھا

یہ آج شام بھی گزری کسی خیال کے ساتھ
نہ اس سے ملنے گیا میں نہ اپنے گھر بیٹھا

ebooksgallery.com

خود کلامی

میں اس سے پوچھتا ہوں
کون ہے تو؟ کس نگر کا رہنے والا ہے؟
ترا دل کون سی تہذیب کی چھل بل میں زندہ ہے؟
میں اس سے پوچھتا ہوں
بوڑھے باپو...... جب تو اپنے گھر سے نکلا تھا
تجھے کس راہ نے انگلی تھمائی تھی
تجھے بیچوں بھرے قصرِ انا تک کون لایا تھا
میں اس سے پوچھتا ہوں

بول بھی باپو...... تجھے کتنے جنم پڑتے تھے رستے میں
ترے آنگن میں بیل اتری تو اس کو تُو نے کیا جانا
تری جھولی میں چاند اترا تو تو نے خواب کی تعبیر کیا سوچی
بہت کچھ پوچھنا ہے اس سے اور وہ کچھ نہیں کہتا
پرانے شیلف میں رکھی کتابوں کی طرح منہ بند رکھتا ہے
گراں گوشِ زمانہ کو میں پھر آواز دیتا ہوں
وہ پھر بھی کچھ نہیں کہتا
وہ نانِ خشک سا چہرہ چمک اٹھے تو آوازوں کی
بارش ہونے لگتی ہے
کتابیں تیرنے لگتی ہیں دریائے تکلم میں
وہ پھر بھی کچھ نہیں کہتا
وہ پھل بیری کا گلدستہ
وہ دل کے کارنس پر ایستادہ
کچھ نہیں کہتا
وہ اک لقے کبوتر کا بھرا سینہ
لپکتا ہے جھپٹتا ہے مگر اندوہ کی چپ میں
میں پھر تنگ آ کے اس سے پوچھتا ہوں

ebooksgallery.com

ون ہے تو ؟ س نگر کا رہنے والا ہے
تجھے شاید کہیں پہلے بھی دیکھا ہے
مرا دل کہتا ہے......
شاید تجھے منصور کہتے ہیں
بتا کس نے ترے تن سے در و دیوار کے کپڑے اتارے تھے
تجھے گھر سے نکالا تھا
میں تجھ سے ملنے آیا ہوں
کہ خود سے ملنے آیا ہوں
چراغِ خود کلامی کے دھویں!
یہ ماجرا کیا ہے
یہ دل کے ملگجے شیشے میں کس کا عکس پڑتا ہے
یہ دن ہے یا شبِ گزراں؟
مری آنکھیں تو لمحوں کے تعین تک سے قاصر ہیں
یہ کس کنجِ طلسمی میں بسر ہونے لگی فرصت
یہ پھل بیری کا گلدستہ
مری شامہ پہ کیوں کھلتا نہیں آخر
بتا کچھ تو بتا مجھ کو

چراغِ خود کلامی سے یہ تیرا سلسلہ کیا ہے
تو اپنے آپ سے عباس تابش پوچھتا کیا ہے
تجھے معلوم ہے تو کس نگر کا رہنے والا ہے؟
ترا دل کونسی تہذیب کی چھل بل میں زندہ ہے
تجھے جیبوں بھرے قصرانا تک کون لایا تھا
یہ سب معلوم ہے تجھ کو
وہ دیکھ اس گھر میں چاند اترا ہے
باقی بات پھر ہوگی

ebooksgallery.com

○

ایک مشکل سی بہر طور بنی ہوتی ہے
تجھ سے باز آئیں تو پھر خود سے ٹھنی ہوتی ہے

کچھ تو لے بیٹھتی ہے اپنی شکستہ پائی
اور کچھ راہ میں چھاؤں بھی گھنی ہوتی ہے

میرے سینے سے ذرا کان لگا کر دیکھو
سانس چلتی ہے کہ زنجیر زنی ہوتی ہے

آبلہ پائی بھی ہوتی ہے مقدر اپنا
سر پہ افلاک کی چادر بھی تنی ہوتی ہے

دودھ کی نہر نکالی ہے غموں سے ہم نے
ہم بتا سکتے ہیں کیا کوہ کنی ہوتی ہے

آنکھ تو کھلتی ہے کرنوں کی طلب میں لیکن
زیبِ مژگاں کسی نیزے کی انی ہوتی ہے

دشتِ غربت ہی پہ موقوف نہیں ہے تابش
اب تو گھر میں بھی غریب الوطنی ہوتی ہے

ebooksgallery.com

یہ واہمے بھی عجب بام و در بناتے ہیں
ہوا کی شاخ پہ خوشبو کا گھر بناتے ہیں

کفِ خیال پہ عکسِ نشاطِ رنگ ترا
نہیں بنانے کا یارا مگر بناتے ہیں

یہ مشغلہ ہے ترے آشیاں پرستوں کا
کہ زیرِ دام پڑے بال و پر بناتے ہیں

وہ اپنی مرضی کا مطلب نکال لیتا ہے
اگرچہ بات تو ہم سوچ کر بناتے ہیں

میں جب بھی دھوپ کے صحرا میں جا نکلتا ہوں
وہ ہاتھ مجھ پہ دعا کا شجر بناتے ہیں

مری مثال ہے ان سبز شاخچوں جیسی
جو دھوپ کات کے ملبوسِ زر بناتے ہیں

ہم اس کو بھول کے کرتے ہیں شاعری تابش
کمال بے ہنری سے ہنر بناتے ہیں

ebooksgallery.com

پروں میں شام ڈھلتی ہے

کہاں جانا تھا مجھ کو
کس نگر کی خاک بالوں میں سجانا تھی
مجھے کن ٹہنیوں سے دھوپ چننا تھی
کہاں خیمہ لگانا تھا

مری مٹی رہِ سیارگاں کی ہمقدم نکلی
مری پلکوں پہ تارے جھلملاتے ہیں
بدن میں آگ جلتی ہے
مگر پاؤں میں خوں آشام رستے لڑکھڑاتے ہیں
یہ کیا شیرازہ بندی ہے
یہ میری بے پری کس کنج سے ہو کر بہم نکلی

نظر میں دن نکلتا ہے
پروں میں شام ڈھلتی ہے
مگر میں تو لہو کی منجمد سل ہوں
بدن کی کشتِ ویراں میں
یہ کس کی انگلیوں نے عمر بھر مجھ کو کریدا ہے
کہاں شریان میں چلتا ہوا یہ قافلہ ٹھہرا
کہ میں اس ہاتھ کی ریکھاؤں میں رنگِ حنا ٹھہرا
کہاں جانا تھا مجھ کو
کس جگہ خیمہ لگانا تھا

ebooksgallery.com

○

دہن کھولیں گی اپنی سیپیاں آہستہ آہستہ
گزر دریا سے اے ابرِ رواں آہستہ آہستہ

لہو تو عشق کے آغاز ہی میں جلنے لگتا ہے
مگر ہونٹوں تک آتا ہے دھواں آہستہ آہستہ

پلٹنا بھی اگر چاہیں پلٹ کر جا نہیں سکتے
کہاں سے چل کے ہم آئے کہاں آہستہ آہستہ

کہیں لالی بھری تھالی نہ گر جائے سمندر میں
چلا ہے شام کا سورج کہاں آہستہ آہستہ

ابھی اس دھوپ کی چھتری تلے کچھ پھول کھلنے دو
زمیں بدلے گی اپنا آسماں آہستہ آہستہ

کسے اب ٹوٹ کے رونے کی فرصت کارِ دنیا میں
چلی جاتی ہے اک رسمِ فغاں آہستہ آہستہ

مرے دل میں کسی حسرت کے پس انداز ہونے تک
نمٹ ہی جائے گا کارِ جہاں آہستہ آہستہ

ملیں جب نیند کے سائے میں ستانے لگیں تابش
سفر کرتے ہیں بستی کے مکاں آہستہ آہستہ

ebooksgallery.com

○

عجب سودائے وحشت ہے دلِ خودسر میں رہتا ہے
یہ کیسی چھب کا مالک ہے یہ کیسے گھر میں رہتا ہے

اسی کے دم قدم سے ہے جہانِ دید و نظارا
کہیں آنکھوں میں بستا ہے کہیں منظر میں رہتا ہے

نہالِ خشک میں اب تک وہ سوکھا زرد سا پتا
برہنہ لگتا ہے لیکن لباسِ زر میں رہتا ہے

مری آنکھوں سے لے کر تیرے چہرے تک ستارے ہیں
کہ جو گردش میں آ جائے اسی محور میں رہتا ہے

میں اپنے عکس کو رم خوردگی سے باز کیا رکھوں
غزالِ آئینہ خانہ کسی کے ڈر میں رہتا ہے

مجھے تو گورِ گریہ میں سلا دیتے ہیں گھر والے
مگر احساسِ بیداری مرے بستر میں رہتا ہے

ebooksgallery.com

یہ تو نہیں فرہاد سے یاری نہیں رکھتے
ہم لوگ فقط ضربتِ کاری نہیں رکھتے

قیدی بھی ہیں اس شان کے آزاد تمہارے
زنجیر کبھی زلف سے بھاری نہیں رکھتے

مصروف ہیں کچھ اتنے کہ ہم کارِ محبت
آغاز تو کر لیتے ہیں جاری نہیں رکھتے

جیتے ہیں مگر زیست کو آزار سمجھ کر
مرتے ہیں مگر موت سے یاری نہیں رکھتے

مہمان سرا دل کی گرا دیتے ہیں پل میں
ہم صدقۂ جاری کو بھی جاری نہیں رکھتے

تنہا ہی نکلتے ہیں سرِ کوئے ملامت
ہمراہ کبھی ذلت و خواری نہیں رکھتے

ebooksgallery.com

پاگل

وہ آیا شہر کی طرف
اک اس کی چاپ کی کھنک
قیامِ روزِ عشق کی پکار تھی
کہ برگ و بارِ خاک کا فشار تھی
وہ آیا شہر کی طرف
لپک کے اینٹ کی طرف
وہ اس طرح بڑھا کہ جیسے نانِ خشک پر کوئی
سگِ گرسنہ گر پڑے
وہ گالیوں بھری زباں کھلی کھلی چھلک پڑی
ہر ایک جیب اس کی انگلیوں سے تار تار تھی

کہ اس کی تھوتھنی سے پھوٹتی کمک
قیامِ روزِ عشق کی پکار تھی
وہ گالیوں بھری زباں مرا لباس گندگی سے بھر گئی
نہ جانے کتنے لوگ
اس کے دست و دشنہ وار سے گزر گئے
حیات پار کر گئے
وہ بے ہنر سبک تنی سے ڈر گیا
سب اس کی رہ سے ہٹ گئے
تو اس نے اپنی روح کی برہنگی
زمینِ ماہ کی طرف اچھال دی
کہ یہ ہنر اسی کا تھا

ebooksgallery.com

○

یوں تو شیرازۂ جاں کر کے بہم اٹھتے ہیں
بیٹھنے لگتا ہے دل جونہی قدم اٹھتے ہیں

ہم تو اس رزم گہِ وقت میں رہتے ہیں جہاں
ہاتھ کٹ جائیں تو دانتوں سے علم اٹھتے ہیں

سہل انگار طبیعت کا برا ہو جس سے
ناز اٹھتے ہیں ترے اور نہ ستم اٹھتے ہیں

کوئی روندے تو اٹھاتے ہیں نگاہیں اپنی
ورنہ مٹی کی طرح راہ سے کم اٹھتے ہیں

نیند جاتی ہی نہیں عرضِ ہنر سے آگے
دفترِ غم ہی سدا کر کے رقم اٹھتے ہیں

دن کی آغوشِ رضاعت سے نکل کر تابش
رات کی رات کفِ خاک سے ہم اٹھتے ہیں

ebooksgallery.com

○

مرے بدن میں لہو کا کٹاؤ ایسا تھا
کہ میرا ہر بُنِ مو ایک گھاؤ ایسا تھا

بچھڑتے وقت عجب الجھنوں میں ڈال گیا
وہ ایک شخص کہ سیدھے سبھاؤ ایسا تھا

چلی جو بات کوئی رات کے تعاقب میں
تو بات بات سے نکلی بہاؤ ایسا تھا

میں پور پور روانہ تھا ابجدوں کی طرف
حسابِ عمر ترا چل چلاؤ ایسا تھا

گُلِ نشاط کی خوشبو بھی بار تھی مجھ کو
مرے مزاج میں غم کا رچاؤ ایسا تھا

کنارِ لب میں نہ رہتی تھی موجِ گویائی
طبیعتوں میں سخن کا بہاؤ ایسا تھا

ٹھہرتا کیا مری خاکستری نگاہوں میں
ترا وجود تو روشن الاؤ ایسا تھا

نکل سکی نہ کوئی بھی فرار کی صورت
سپاہِ زیست کا مجھ پر پڑاؤ ایسا تھا

نہ چاہ کر بھی اسے دل سے چاہتے تھے ہم
کسی کی لاگ میں تابش لگاؤ ایسا تھا

ebooksgallery.com

○

دریا کی طرح جاری و ساری بھی نہیں ہم
پتھر ہیں مگر راہ پہ بھاری بھی نہیں ہم

توہین کریں کاسۂ پندارِ سخن کی
اے دربدرو ایسے بھکاری بھی نہیں ہم

اک خوئے ملامت ہی لیے پھرتی ہے ورنہ
یوں اپنے لیے باعثِ خواری بھی نہیں ہم

ہم اوس کی مانند گلابوں میں رچیں کیا
اشکوں کی طرح آنکھ سے جاری بھی نہیں ہم

مانا کہ پرستش سہی فطرت کا تقاضا
ہر صورتِ زیبا کے پجاری بھی نہیں ہم

اس درجہ رگ و پے میں اتر آتی ہے ترشی
نشے کی طرح آپ پہ طاری بھی نہیں ہم

تابش کوئی ناول کوئی قصہ ہی سمجھ لے
کیا مشغلۂ وقت گزاری بھی نہیں ہم؟

ebooksgallery.com

ادھوری نظم

اندھیری شام کے ساتھی
ادھوری نظم سے زور آزما ہیں
برسرِ کاغذ بچھڑنے کو
سنو......تم سے دلِ محزوں کی باتیں کہنے والوں کا
یہی انجام ہوتا ہے
کہیں سطرِ شکستہ کی طرح ہیں چار شانے چت
کہیں حرفِ تمنا کی طرح دل میں ترازو ہیں
سنو......ان نیل چشموں سخت جانوں بے زبانوں پر
جو گزرے گی سو گزرے گی
مگر میں اک ادھوری نظم کے ہیجان میں کھویا

تمہیں آواز دیتا ہوں
کہ تنہا آدمی تخلیق سے عاری ہوا کرتا ہے
جانِ من!
سنو......میرے قریب آؤ
کہ مجھ کو آج کی رات اک ادھوری نظم پوری کر کے سونا ہے!

ebooksgallery.com

ن

بچھڑ کے ہم سے جو کھوئے گئے ہیں راہ کے بیچ
سحر ہوئے انہیں دیکھو گے خیمہ گاہ کے بیچ

ہم ایک دوجے سے ملنے کا ڈھنگ بھول گئے
یہ سانحہ بھی ہوا شہر داد خواہ کے بیچ

کہاں وہ لوگ جنہیں جنگلوں میں شام ہوئی
کہاں وہ اشک کہ ٹھہرے رہے نگاہ کے بیچ

میں کیسے مان لوں تیری کہ اس دفعہ بھی مجھے
مفاہمت نظر آتی ہے اشتباہ کے بیچ

کسی نے مجھ کو پکارا ہے میرے لہجے میں
یہ اتفاق بھی اکثر ہوا ہے راہ کے بیچ

وہ ساتھ ساتھ رہا بوئے گلستاں کی طرح
گھمایا اس نے بہت دل کی سیر گاہ کے بیچ

کھلا کہ گنبد گردوں کے ہم مجاور ہیں
جب ایک عمر گزار آئے خانقاہ کے بیچ

ebooksgallery.com

○

صبح دم بھی صبح کا منظر کہاں ہے سامنے
بستیوں کی کوکھ سے اٹھتا دھواں ہے سامنے

کون سی منزل پہ آ کر رک گئے اپنے قدم
کارواں پیچھے ہے گردِ کارواں ہے سامنے

بادبانوں کی طرح کھلنے لگے ہیں پیرہن
آئینہ خانہ ہے یا آبِ رواں ہے سامنے

ویسے تو اس بت کے گھر کا فاصلہ اتنا نہیں
دو قدم چلئے تو مرگِ ناگہاں ہے سامنے

اپنے لہجے میں تو لگتا ہے وہ آہنگِ قدم
دیکھئے مڑ کر تو عمرِ رائیگاں ہے سامنے

کیسے پہنچیں منظروں کی آیتیں ترتیل تک
تیری آنکھوں کوئی حدیثِ دیگراں ہے سامنے

پیچھے چلئے تو شبِ رفتہ کا اندھا غار ہے
آگے بڑھیے تو غروبِ جسم و جاں ہے سامنے

اس طرح شاید وہ عکسِ تہ نشیں کو چوم لے
شاخِ سجدہ ریز کو جوئے رواں ہے سامنے

پہلے تو ہم چھان آئے خاک سارے شہر کی
تب کہیں جا کر کھلا اس کا مکاں ہے سامنے

دیکھئے کب تیشہ زن ہوتے ہیں اپنے آپ پر
تابش اپنی ذات کا کوہِ گراں ہے سامنے

ebooksgallery.com

○

کچھ حجتِ خمار کا اتمام ہی سہی
گر مے نہیں تو خندۂ گلفام ہی سہی

اپنا لہو تو آگ پکڑتا ہے دور سے
جلتا ہوا چراغ سرِ بام ہی سہی

یوں تو سبھی کو عشق نے سونپی ہیں شہرتیں
لیکن کبھی کبھی کوئی گمنام ہی سہی

گر کر ہی ٹوٹتا ہے تو اے پیکرِ غبار
بامِ بلند و زینۂ ایام ہی سہی

کوئی تو ہو کہ جس سے گلے مل کے روئیں ہم
گر تم نہیں تو گھر کے در و بام ہی سہی

ebooksgallery.com

○

رمز گر بھی گیا، رمز داں بھی گیا
حسن کے ساتھ حسنِ بیاں بھی گیا

سر سے تاروں بھری سرزمیں بھی گئی
پاؤں سے خاک کا آسماں بھی گیا

پھول ہی پھول تھے کنجِ آزار میں
تم وہاں بھی نہ تھے میں وہاں بھی گیا

پہلے مٹی اڑی منزلوں کی طرف
پھر اسے ڈھونڈنے کارواں بھی گیا

میں اکیلا نہ تھا کوئے رسوائی میں
ساتھ ویرانۂ جسم و جاں بھی گیا

رنگ ہستی کے پھر بھی نہ افشا ہوئے
یوں تو پاتال تک آسماں بھی گیا

عشق میں بام و در بھی نہ پیچھے رہے
ساتھ اپنے مکیں کے مکاں بھی گیا

تابشؔ اپنے بسیرے کی جانب چلو
اس سے کیا تم کو سورج جہاں بھی گیا

ebooksgallery.com

وحشتوں میں چاک سا چکر کہاں
دستِ کوزہ گر بگولوں پر کہاں

لے چلوں میں ساتھ تجھ کو پر کہاں
اے ہوائے شہر میرا گھر کہاں

پھر وہی سنگِ انا ہے سامنے
یار تو نے کھائی پھر ٹھوکر کہاں

میری وحشت بھی وہی میں بھی وہی
لیکن اب اس ہاتھ میں پتھر کہاں

دل تو پھر دل ہے سنبھل بھی جائے گا
سر میں سودا ہو تو رکھیں سر کہاں

جن میں رہتے تھے ہلارے نیند کے
اب وہ پینگیں باغ کے اندر کہاں

کوئی تاروں کو اچھلتا ہی نہیں
یہ پتنگیں اب گریں جا کر کہاں

ebooksgallery.com

○

اب بھی نہ بولنے کے آثار تو نہیں ہیں
چپ لگ گئی ہے جن کو دیوار تو نہیں ہیں

کیوں سدِ رہ بنے گی آوارگی ہماری
ہم پابہ گِل مسافر کہسار تو نہیں ہیں

یہ اشک سے ہمارے کیوں گر رہے ہیں ہم پر
ہم لوگ بادلوں کے اس پار تو نہیں ہیں

کیوں موقلم کے آگے چلتی نہیں ہماری
ہم ایک ہی سخن کی تکرار تو نہیں ہیں

ساحل بجاں ہوائیں کیا کھول پائیں ہم کو
ہم گھرے پانیوں کے اسرار تو نہیں ہیں

جب چاہیں ہم کو آلیں نقشِ قدم ہمارے
ہم رخشِ عمر تیری رفتار تو نہیں ہیں

کس طرح روک پائیں رازِ درونِ خانہ
ہم گھر بسانے والے دیوار تو نہیں ہیں

ممکن نہیں کہ نکلے خوئے گناہ دل سے
ہم آدمی ہیں آخر اوتار تو نہیں ہیں

ebooksgallery.com

○

دل دکھوں کے حصار میں آیا
جبر کب اختیار میں آیا

دے اسے بھی فروغ حسن کی بھیک
دل بھی لگ کر قطار میں آیا

خوب ہے یہ اکائی بھی لیکن
جو مزہ انتشار میں آیا

دیکھتا ہے نہ پوچھتا ہے کوئی
اجنبی ! کس دیار میں آیا؟

یہ تو جانیں مقدروں والے
کون کس کے مدار میں آیا

شاخ پر ایک پھول بھی تابشؔ
مجھ سے ملنے بہار میں آیا

ebooksgallery.com

○

بدن کے چاک پر ظرفِ نمو تیار کرتا ہوں
میں کوزہ گر ہوں اور مٹی کا کاروبار کرتا ہوں

مری خندق میں اس کے قرب کی قندیل روشن ہے
مرے دشمن سے کہہ دینا میں اس سے پیار کرتا ہوں

کہیں تو ریگِ خفتہ کی طرح پانی میں پڑ رہتا
ورق گردانیِ صحرا میں کیوں بیکار کرتا ہوں

اٹھائے پھر رہا ہوں حسرتِ تعمیر کی اینٹیں
جہاں سایہ نہیں ہوتا وہیں دیوار کرتا ہوں

جہاں بھی شام تن جائے محافظ سانپ کی صورت
میں اپنی ریزگاری کی وہیں انبار کرتا ہوں

اسی کو سامنے پا کر اسی کو بھینچ کر تابش
سکوتِ ناشناسی کو سخن آثار کرتا ہوں

ebooksgallery.com

○

پکڑا ہے کوئی ہاتھ نہ دھرتی میں گڑے ہیں
یہ تیری عنایت ہے کہ پیروں پہ کھڑے ہیں

یوں تھوک نہ مجھ پر مرے ہارے ہوئے دشمن
یہ میری کماں ہے یہ مرے تیر پڑے ہیں

اندیشۂ دریا میں گھلے جاتے ہیں پل پل
یہ خاک نہادے ہیں کہ مٹی کے گھڑے ہیں

پہلے تو کبھی ہونٹ کا سکتہ نہیں ٹوٹا
اب تو نے بلایا ہے تو ہم بول پڑے ہیں

پستی میں گرا میں تو خیال آیا یہ مجھ کو
شاخوں سے نہیں پھول بلندی سے جھڑے ہیں

تو ہے کہ ابھی گھر سے بھی باہر نہیں نکلا
ہم ہیں کہ شجر بن کے تری رہ میں کھڑے ہیں

ebooksgallery.com

○

یہ ہم جو رنج بصوت ہزار کھینچتے ہیں
بہانہ کر کے سخن کا غبار کھینچتے ہیں

نہ بانہیں ڈالتے ہیں ہم کسی کی گردن میں
نہ اپنے گرد انا کا حصار کھینچتے ہیں

وہ آئے اور کوئی دل کی بات ہو اس سے
اک انتظار پسِ انتظار کھینچتے ہیں

کراہے جاتے ہیں اس کے جوار میں بیٹھے
نہ بات کرتے ہیں اس سے نہ خار کھینچتے ہیں

ہمیں بھی دیکھ کہ بادِ شکستہ پا کی طرح
سفر کے رنج بہ رنگ غبار کھینچتے ہیں

ہمیں بھی سوت کی انٹی کے بھاؤ لے جاؤ
ہمیں بھی اپنی طرف شہر یار کھینچتے ہیں

برا نہیں ہے انہیں دل سے چاہنا تابش
مگر یہ لوگ تو دل کا قرار کھینچتے ہیں

ebooksgallery.com

تیئسویں سالگرہ پر ایک نظم

موم بتی بجھی

تو شنۂ قند میں ایک میٹھی چھری چال چلنے لگی

شام ڈھلنے لگی

میرے چوگرد پھیلے ہوئے سرمئی سحر میں

ننھے ہاتھوں سے جھڑتی ہوئی تالیاں دیکھ کر

میرے پچھلے برس کی ہوا چل پڑی

ایک پتہ اڑا

ہشت پا ساعتیں کنکھجوروں کے مانند چلنے لگیں

زرد لمحوں کی گردان کرتی ہوئی زندگی موم بتی کے سر پہ

دھواں بن گئی

گونجتی تالیوں میں ''مبارک'' کے پتھر مری سمت پھینکے گئے

موم بتی بجھی

میرا پتھریلا پن آبدیدہ ہوا

جیسے دانتوں کی گنتی بدلنے لگی

عمر کی شنگرفی شام ڈھلنے لگی

وقت کی چاند ماری سے دیوارِ ہستی میں اک اور رخنہ پڑا

اک چھناکا ہوا

اور پاؤں نئے سال میں جا پڑا

ebooksgallery.com

○

یہ ہم کو کون سی دنیا کی دھن آوارہ رکھتی ہے
کہ خود ثابت قدم رہ کر ہمیں سیارہ رکھتی ہے

اگر بجھنے لگیں ہم تو ہوائے شامِ تنہائی
کسی محراب میں جا کر ہمیں دوبارہ رکھتی ہے

چلو ہم دھوپ جیسے لوگ ہی اس کو نکال آئیں
سنا ہے وہ ندی تہ میں کوئی مہ پارہ رکھتی ہے

ہمیں کس کام پر مامور کرتی ہے یہ دنیا بھی
کہ ترسیلِ غمِ دل کے لیے ہرکارہ رکھتی ہے

کبھی سر پھوڑنے دیتی نہیں دیوار سے تابش
یہ کیا دیوانگی ہے جو ہمیں ناکارہ رکھتی ہے

○

تیری روح میں سناٹا ہے اور مری آواز میں چپ
تو اپنے انداز میں چپ ہے میں اپنے انداز میں چپ

گاہے گاہے سانسوں کی آواز سنائی دیتی ہے
گاہے گاہے بج اٹھتی ہے دل کے شکستہ ساز میں چپ

سناٹے کے زہر میں بجھتے لوگوں کو یہ کون بتائے
جتنا اونچا بول رہے ہیں اتنی ہے آواز میں چپ

اک مدت سے خشک پڑا ہے وہ جھرنا انگڑائی کا
جانے کس نے بھر دی ہے اس پیکرِ نغمہ ساز میں چپ

رگ رگ میں جب خون کی بوندیں بلبل بن کر چہک اٹھیں
پھر دل حافظ کیونکر سادھے سینے کے شیراز میں چپ

ebooksgallery.com

○

چوبی رخنوں سے چھنتی رہی روشنی وہ دریچہ کھلا اس دفعہ بھی نہیں
رقص فرما رہے یوں ہی اہلِ طلب کوئی ظاہر ہوا اس دفعہ بھی نہیں

درد کی تہ جمی گرد کی تہ جمی مرہمِ اشک بھی میں نے رکھا بہت
اتنا گہرا تھا زخمِ تماشا مرا بھرتے بھرتے بھرا اس دفعہ بھی نہیں

خلقِ شہر آئی تھی رقص کرتی ہوئی، رقص کرتی ہوئی الٹے پاؤں گئی
جانے کیوں ہو رہی ہیں یہ سرگوشیاں سانحہ تو ہوا اس دفعہ بھی نہیں

اب کا موقع بھی یوں ہی اکارت گیا بولنا بھی مرا یوں ہی غارت گیا
اس دفعہ بھی اسے میں نے آواز دی لیکن اس نے سنا اس دفعہ بھی نہیں

اب کے موسم بھی ڈیرہ رہا میرے دل میں کسی ہجر کی ان چھوئی خاک کا
ایسے لگتا ہے اس خانۂ درد میں کوئی آیا گیا اس دفعہ بھی نہیں

اس کے جاتے ہی پتے سے جھڑنے لگے ساعتِ زرد پر نیل پڑنے لگے
یہ تو موسم تھا اس کے ٹھہر جانے کا جانے کیوں وہ رکا اس دفعہ بھی نہیں

ebooksgallery.com

○

یہی تو ایک خوش فہمی مجھے حیران رکھتی ہے
کہ اک چشم سحر آسا مری پہچان رکھتی ہے

کبھی دل کی طرف بھی برشگالِ موسمِ ہجراں
کہ یہ مٹی کی ڈھیری بھی بڑے امکان رکھتی ہے

کہیں بار خجالت سے قدم رکنے نہیں پاتے
مری آوارگی میرا سفر آسان رکھتی ہے

وہاں جس کو بھی جانا ہو سرنگوں کی طرح جائے
کہ اب وہ شہ نشیں خود پر کئی دربان رکھتی ہے

ہوا کے ہاتھ میں قندیل وصل آثار کو دیکھوں
یہی اک آرزو مجھ کو یہاں مہمان رکھتی ہے

عجب طرز رقیبانہ ہے خلق شہر کی تابش
اسے بھی کچھ نہیں کہتی مرا بھی مان رکھتی ہے

ebooksgallery.com

○

یہ کس خیال میں کیا پیڑ پر کرید گیا
اسے خبر نہ ہوئی اور میرا بھید گیا

وہ آنکھ کیسے ہلاکت میں ڈال سکتی ہے
یہی میں سوچ رہا تھا کہ تیر چھید گیا

وہی کہ خود سے بہت تھیں شکایتیں جس کو
گیا تو اپنے بہانے مجھے رگید گیا

مہک بغیر نہ ٹھہرا وہ مثلِ پیکرِ گل
کہ خود بھی چل دیا اٹھ کے جدھر کو بھید گیا

حروفِ سادہ اڑے تتلیوں کے پر بن کر
سوادِ شعر ورق در ورق سفید گیا

کہاں گئے جنھیں بارش کی آرزو تھی بہت
کہ اب کی بار تو ساون چھتیں بھی چھید گیا

ebooksgallery.com

○

نیندوں کا ایک عالمِ اسباب اور ہے
شاید کسی کی آنکھ میں اک خواب اور ہے

تو مجھ کو طاقِ سینہ میں رکھا ہوا نہ جان
میں جس میں جل رہا ہوں وہ محراب اور ہے

یونہی نہیں یہ ضربتِ تیشہ کی دستکیں
لگتا ہے اک فصیل پسِ باب اور ہے

لہرا رہا ہے سطح پہ مہتاب غوطہ زن
ہر چند ایک شہر تہِ آب اور ہے

پھوٹی ہیں جس جگہ مری آنکھوں کی کونپلیں
دل سے پرے وہ خطۂ شاداب اور ہے

کھویا ہوا ہوں نیند کے پردے کی اس طرف
لگتا ہے ایک خواب پسِ خواب اور ہے

کرنیں تو اک نگاہِ سبک رو کی لہر ہیں
دنبالہ دارئ شبِ مہتاب اور ہے

تابش یہ تیرا عکس نہیں میری آنکھ میں
اس جھیل میں یہ پرتوِ زرتاب اور ہے

ebooksgallery.com

○

یہ بادلوں میں ستارے ابھرتے جاتے ہیں
کہ آسماں کو پرندے کترتے جاتے ہیں

تمہارے شہر میں تہمت ہے زندہ رہنا بھی
جنہیں عزیز تھیں جانیں وہ مرتے جاتے ہیں

نہ جانے کب تمہیں فرصت ملے گی آنے کی
تمہارے آنے کے دن تو گزرتے جاتے ہیں

کہا تو یہ تھا کہ چھوڑیں انا کی مسند کو
مگر یہ لوگ تو دل سے اترتے جاتے ہیں

کہاں سے آئی ہے تابش یہ سرپھری آندھی
کہ جس قدر بھی دیے تھے بکھرتے جاتے ہیں

ابھی اس کی ضرورت تھی

(فیض صاحب کے انتقال پر)

صفِ ماتم بچھی ہے
سخن کا آخری در بند ہونے کی خبر نے
کھڑکیوں کے پار بیٹھے غمگساروں کو
یہ کیسی چپ لگا دی ہے
یہ کس کی ناگہانی موت پر سرگوشیوں کی آگ روشن ہے
کسی کے کنجِ لب سے کوئی تارا میرے دل پر آن پڑتا ہے
برا ہو موت کا جس نے مرے فریاد رس کی جان لے لی ہے
ابھی اس کی ضرورت تھی
میں اس دنیا کے اک گوشے میں بیٹھا سوچتا ہوں
آج اس ویران منڈلی میں
میں کس کو پرسہ دینے کے لیے آیا ہوں

ebooksgallery.com

مجھ کو تعزیت تو خود سے کرنا بھی
ابھی اس گھر سے اک میت سدھاری ہے

دمِ رخصت
کسی نے نکہت زلف پریشاں کا نہیں پوچھا
کسی نے دکھ کے اندر روشنی کی چھب نہیں دیکھی
مکاں سے پھوٹنے والی روش پر
ایک بچہ رو رہا ہے
آج اس کے آنسوؤں کو کون پونچھے گا
کہ اس کے ساتھ جو شطرنج کی بازی لگاتا تھا
وہ اب زیرِ زمیں اک چادرِ سادہ کی خوشبو ہے
یہاں صبحیں بھی آئیں گی
یہاں شامیں بھی اتریں گی
مگر اک ہچکیاں لیتا ہوا بچہ
چراغِ آرزو بن کر
سرِ طاقِ لحد گونگی زمیں کی لب کشائی تک پکارے گا
برا ہو موت کا جس نے مرے فریاد رس کی جان لے لی ہے

○

پیش آتے ہیں کچھ ایسے اپنی حیرانی سے ہم
آئینے کو دیکھتے ہیں خندہ پیشانی سے ہم

موج میں آ جائیں تو پھر وقت کی میزان میں
اپنی گدڑی تولتے ہیں تاجِ سلطانی سے ہم

اب ہمارے خون سے کھنچتے ہیں خود تیرے خطوط
اب تری تصویر ہوتے نہیں مانی سے ہم

دل میں اک گوشہ ہمارے واسطے رکھ چھوڑنا
کیا خبر کب تنگ آ جائیں جہانبانی سے ہم

رات کو جب یاد آئے تیری خوشبوئے قبا
تیرے قصے چھیڑتے ہیں رات کی رانی سے ہم

ebooksgallery.com

○

یہ کس کے خوف کا گلیوں میں زہر پھیل گیا
کہ ایک نعش کے مانند شہر پھیل گیا

نہیں گرفت میں تا حدِ خاک کا منظر
سمٹ گئیں مری بانہیں کہ دہر پھیل گیا

تجھے قریب سمجھتے تھے گھر میں بیٹھے ہوئے
تری تلاش میں نکلے تو شہر پھیل گیا

میں جس طرف بھی چلا جاؤں جان سے جاؤں
بچھڑ کے تجھ سے تو لگتا ہے دہر پھیل گیا

مکاں مکاں سے نکلا کہ جیسے بات سے بات
مثالِ قصۂ ہجراں یہ شہر پھیل گیا

بچا نہ کوئی تیری دھوپ کی تمازت سے
ترا جمال بہ اندازِ قہر پھیل گیا

یہ موج موج بنی کس کی شکل سی تابش
یہ کون ڈوب کے بھی لہر لہر پھیل گیا

ebooksgallery.com

یہ کرشمے بھی ہوئے حسن کی بوچھاروں سے
پیڑ بن کر بدن اگنے لگے دیواروں سے

کیوں نہ بے قامتیٔ خاک پہ رونا آئے
جھک کے ملتا ہے فلک شہر کے میناروں سے

کس کی باتوں نے گلے چھید دیے ہیں اپنے
گردنیں ہم تو بچا لائے تھے تلواروں سے

یہ دکانیں تو انہیں روکتی رہ جاتی ہیں
جانے کیوں لوگ گزر جاتے ہیں بازاروں سے

پھر مجھے آنے لگا ترکِ سکونت کا خیال
ندیاں جیسے اتر آئی ہوں کہساروں سے

تو نے ان کو کسی قابل ہی نہ سمجھا ورنہ
حرمتِ عشق تھی سب تیرے گنہگاروں سے

آ پڑی صحن میں کیوں اس کی ضرورت تابش
وہ تو کہتا تھا کہ گھر بنتے ہیں دیواروں سے

ebooksgallery.com

○

دشتِ حیرت میں سبیلِ تشنگی بن جائیے
جو کبھی پوری نہ ہو ایسی کمی بن جائیے

رات بھر رہیے مرے ہمراہ نیندوں کی طرح
دن چڑھے تو لذتِ آوارگی بن جائیے

پہلے تو مجھ کو عطا کیجے وہی چہرہ مرا
وہ نہیں تو پھر مری پہچان ہی بن جائیے

طائرِ خستہ کی صورت آپ کو دیکھا کروں
شاخِ سدرہ سے اترتی روشنی بن جائیے

بیٹھے رہنے سے تو لو دیتے نہیں یہ جسم و جاں
جگنوؤں کی چال چلیے روشنی بن جائیے

○

یوں تو ہر شخص عبادت کے عمل سے نکلا
ایک میں تھا کہ نہ محرابِ غزل سے نکلا

آبشاروں کی طرح زور تو مارا ہم نے
کوئی رستہ نہ مگر دشت و جبل سے نکلا

آنکھ سے اشک نکلنے پہ پشیمان نہ ہو
یہ تو پانی کا پرندہ تھا جو تھل سے نکلا

جل بجھے دھوپ میں زنجیر ہلانے والے
کوئی سایہ نہ مگر شیش محل سے نکلا

جب بھی وہ چاند مرے ذہن میں ڈوبا تابشؔ
ایک سورج مرے افلاکِ غزل سے نکلا

ebooksgallery.com

اندیشۂ وصال کی ایک نظم

شفق کے پھول تھالی میں سجائے سانولی آئی
چراغوں سے لویں کھینچیں دریچوں میں نمی آئی
میں سمجھا اس سے ملنے کی گھڑی آئی

ہوا جاروب کش تھی آسماں آثار رنگوں کی
جسے اپنی سہولت کے لیے دنیا...... یہ تن آسان دنیا...... اک مروت میں
ہجومِ خلق کہتی ہے
مری آنکھیں تہی گلدان کی صورت منڈیروں پر
گلی سے اٹھنے والی گرد کو تتلی بتاتی ہیں

یہ منظر منجمد ہو کر سفر آغاز کرتا ہے
لہو کی برق رفتاری طنابیں کھینچ لیتی ہے
یہ کیسی شام شہزادی
شفق کے پھول تھالی میں سجائے زینۂ شب سے اتر آئی
میں سمجھا اس سے ملنے کی گھڑی آئی
سلاخوں سے لہو پھوٹا لہو میں روشنی آئی

ebooksgallery.com

○

یہ سب میسر و موجود کا گماں ہی نہ ہو
تو جس کو ابر سمجھتا ہے وہ دھواں ہی نہ ہو

یہ کیا کہ ڈھونڈتے پھریے دیار وار تجھے
اور اس زمین پہ اپنا کوئی مکاں ہی نہ ہو

گلال کرنا محبت میں کوئی ٹھیک نہیں
لگا وہ زخم کہ جس کا کوئی نشاں ہی نہ ہو

نہالِ درد یہ دن تجھ پہ کیوں اترتا نہیں
یہ نیل کنٹھ کہیں تجھ سے بدگماں ہی نہ ہو

یہ کچی نیند سے اٹھنا یہ اٹھ کے چل دینا!
شکستِ خواب کے پیچھے شکستِ جاں ہی نہ ہو

ابھی تو پاؤں سے کھسکا ہے نجد کا صحرا
عجب نہیں ہے جو کل سر پر آسماں ہی نہ ہو

نہ زہر جان کے اس دن کو پھانکنا تابش
اسی کے بیچ کہیں عمرِ جاوداں ہی نہ ہو

ebooksgallery.com

○

جھلمل سے کیا ربط نکالیں کشتی کی تقدیروں کا
تارے کشف نہیں کر سکتے بے آواز جزیروں کا

ہر ناکامی نے ایسے بھی کچھ دیواریں کھینچی ہیں
اک بے نقشہ شہر بنا ہے لا حاصل تدبیروں کا

اک مدت سے قریۂ جاں میں جھڑتے ہیں جھنکار کے پھول
جیسے میرے جسم کے اندر موسم ہو زنجیروں کا

دور سے جھنڈ پرندوں کا لگتے ہیں خیمے والوں کو
کس انداز کا آنا ہے یہ آگ چھڑکتے تیروں کا

رات گئے جب تارے بھی کچھ بے معنی سے لگتے ہیں
ایک دبستاں کھلتا ہے ان آنکھوں کی تفسیروں کا

ایک ہتھیلی پر اس نے مہکائے حنا کے سندر پھول
ایک ہتھیلی کی قسمت میں لکھا دشت لکیروں کا

ebooksgallery.com

○

کوئی اندیشۂ تہِ محراب بھی میرا نہیں
روشنی کیا روشنی کا خواب بھی میرا نہیں

جس کی جانب میں اچھلتا ہوں سمندر کی طرح
دکھ تو ہے اس کا کہ وہ مہتاب بھی میرا نہیں

جوئے فردا میں بھی بہہ سکتے نہیں تنکے مرے
حال کا سوکھا ہوا تالاب بھی میرا نہیں

نجمِ ہجراں کو ہے مجھ سے ریزگاری کی طلب
اور میرے پاس نقدِ خواب بھی میرا نہیں

آنکھ ہی عاری نہیں کچھ پرسشِ احوال سے
اب دلِ منجملۂ احباب بھی میرا نہیں

آ کے مڑ جاتا ہے میرے گھر کے روشندان سے
جیسے تابشِ مہرِ عالم تاب بھی میرا نہیں

ebooksgallery.com

○

نگاہ اولیں کا ہے تقاضا دیکھتے رہنا
کہ جس کو دیکھنا اس کو ہمیشہ دیکھتے رہنا

نہ مجھ کو نیند آتی ہے نہ دل سے بات جاتی ہے
یہ کس نے کہہ دیا مجھ سے کہ رستہ دیکھتے رہنا

ابھی اچھے نہیں لگتے جنوں کے پیچ و خم اس کو
کبھی اس رہ سے گزرے گی یہ دنیا دیکھتے رہنا

دیے کی لو نہ بن جائے طنابِ سرسری اس کی
میں دریا کی طرف جاتا ہوں خیمہ دیکھتے رہنا

کوئی چہرہ ہی ممکن ہے تمہارے جی کو لگ جائے
تماشا دیکھنے والو تماشا دیکھتے رہنا

کہ اب تو دیکھنے میں بھی ہیں کچھ محویتیں ایسی
کہیں پتھر نہ کر ڈالے یہ میرا دیکھتے رہنا

سرشکِ خوں کبھی مژگاں تلک آیا نہیں پھر بھی
کنارے آ لگے شاید یہ دریا دیکھتے رہنا

نگاہِ سرسری تابش محیطِ حسن کیا ہو گی
جہاں تک دیکھنے کا ہو تقاضا دیکھتے رہنا

ebooksgallery.com

مجھے رستہ نہیں ملتا

مجھے رستہ نہیں ملتا
میں جو ہڑ میں کھلے پھولوں کے حق میں بول کر
دلدل کی تہ میں دھنس گیا ہوں
میں نہیں کہتا کہ یہ کس آسماں کا کون سا سیارہ بد ہے
مگر یہ تہ زمیں کی آخری چھت ہے
یہاں دن ہی نکلتا ہے نہ شامِ عمر ڈھلتی ہے
پرندہ بھی نہیں کوئی کہ جس کے پاؤں سے کوئی
نوشتہ باندھ کر بھیجوں تو سمجھوں اس سے ملنے کا
بہانہ ہاتھ آیا ہے
ستارہ بھی نہیں کوئی کہ جس سے گفتگو ٹھہرے
نواحِ جسم میں پھیلی خضر آثار تنہائی مری سانسیں بڑھاتی ہے
مجھے اس دلدلی گوشے سے جانے کا کوئی رستہ نہیں ملتا

سن اے میری خضر آثار تنہائی
مری خاطر بھی تھوڑا سا تردد کر
مجھے بھی تو سکندر کے جنازے میں پہنچنا ہے
مجھے بھی آبِ حیواں سے چھلکتی موت کا نوحہ سنانا ہے
مجھے بھی دور جانا ہے
سن اے میری خضر آثار تنہائی
مجھے اس تخمِ امکاں کے دریچے سے نکلنے دے
نمو کی چال چلنے دے
مجھے رستہ نہیں ملتا

ebooksgallery.com

○

تہمت لگا کے کام کی خوئے خمار پر
بستی بسا رہا ہوں میں ریگِ فشار پر

پتے سے جھڑ رہے ہیں مری خشک آنکھ سے
میں رو رہا ہوں عمر کی پہلی بہار پر

میرا بھی خانوادۂ دل سے ہے رابطہ
بیعت ہوا ہوں میں بھی کفِ انتظار پر

جھلتا ہوا یہ چرخِ سرِ شام واپسیں
ڈر ہے کہ گر پڑے نہ پرندوں کی ڈار پر

اس نے زباں کو جان کے جنگل کا بادشاہ
پہرے بٹھا دیے ہیں دہن کے کچھار پر

○

گزرے ہوئے دنوں کا خیال آ گیا تو بس
اے دل یہاں بھی کوئی غزال آ گیا تو بس

تیرے لیے چراغ دھرے ہیں منڈیر پر
تو بھی اگر ہوا کی مثال آ گیا تو بس

ہم تیری دھوپ سینک کے کرتے ہیں زندگی
اے مہرِ حسن تجھ پہ زوال آ گیا تو بس

چھیڑو نہ بر سبیلِ تمنا کسی کا ذکر
ہم کو بھی اپنے دل کا خیال آ گیا تو بس

برباد ہیں یہاں سبھی تکمیل کے سبب
میرے بھی ہاتھ کوئی کمال آ گیا تو بس

ebooksgallery.com

○

براہِ سیرِ تماشائے صد جنوں ہی سہی
اگر یونہی کوئی صورت بنے تو یوں ہی سہی

کسی کو ساتھ تو رکھنا ہے دشمنوں کی طرح
یہ آسماں نہ سہی چشمِ نیلگوں ہی سہی

تو میرا یار ہے تیرے قیام کرنے کو
بجائے آب صراحی میں تازہ خوں ہی سہی

گلہ نہیں ہے مجھے مرگِ نیم خوابی کا
مقدروں میں لکھا ہے یونہی تو یوں ہی سہی

جلائے بیٹھی ہے دل میں جو شمع یاد تجھے
یہ بے سکونیٔ دل ہے تو بے سکوں ہی سہی

کسی طرح تو ہوں پوری یہ حجتیں تابش
نہیں ہے گھر تو کوئی سقفِ بے ستوں ہی سہی

ebooksgallery.com

نہ ڈھونڈ مصرعۂ تر کی ترائیوں میں اسے
غزل نصیب دنوں کا غزال رقص میں ہے

یہ دشت و در میں جو مجھ سے گریز پا ہے بہت
یہ میرا سایہ تن ہے کہ جال رقص میں ہے

○

بدن دریدہ غموں سے نڈھال رقص میں ہے
نگارِ شہر ترا خستہ حال رقص میں ہے

کسی بھی دھیان کے پاؤں نہیں ٹھہرتے ہیں
ہر آن کوئی نہ کوئی خیال رقص میں ہے

زمینِ شب میں دراڑیں سی پڑتی جاتی ہیں
ضرور کوئی گرفتار حال رقص میں ہے

اُسے بتاؤ کہ پھر فیصلے کا دن آیا
اسے جگاؤ کہ پھر بد شگال رقص میں ہے

ebooksgallery.com

○

صدائے ذات کے اونچے حصار میں گم ہے
وہ خامشی کا مسافر پکار میں گم ہے

وہ شہرِ شب کے کنارے چراغ جلتا ہے
کہ کوئی صبح مرے انتظار میں گم ہے

یہ کہہ رہی ہیں کسی کی جھکی جھکی آنکھیں
بدن کی آنچ نظر کے خمار میں گم ہے

ہر ایک سمت سے اس کو صدائیں آتی ہیں
مجھے پکار کے خود بھی پکار میں گم ہے

نئے چراغ جلا مجھ کو ڈھونڈنے والے
تری نظر تو نظر کے غبار میں گم ہے

○

بچپن کا دور عہدِ جوانی میں کھو گیا
یہ امرِ واقعہ بھی کہانی میں کھو گیا

لہروں میں کوئی نقش کہاں پائیدار ہے
سورج کے بعد چاند بھی پانی میں کھو گیا

آنکھوں تک آ سکی نہ کبھی آنسوؤں کی لہر
یہ قافلہ بھی نقل مکانی میں کھو گیا

اب بستیاں ہیں کس کے تعاقب میں رات دن
دریا تو آپ اپنی روانی میں کھو گیا

تابشؔ کا کیا کہیں کہ وہ زہرہ گداز شخص
آتش فشاں کا پھول تھا پانی میں کھو گیا

ebooksgallery.com

○

ہر چند تری یاد جنوں خیز بہت ہے
میں جاگ رہا ہوں کہ ہوا تیز بہت ہے

کیونکر نہ مرے تن سے چھلک جائے خموشی
پیمانۂ جاں ضبط سے لبریز بہت ہے

کیا کوہِ گراں ٹھہرے تری راہگزر میں
اے حسن تری ایک ہی مہمیز بہت ہے

اک چاند کی کشتی ہی نہیں ڈوبنے والی
ورنہ وہ سمندر تو بلا خیز بہت ہے

گلدان سے لگتے ہی بکھر جاتی ہے تتلی
گویا یہ رگِ سنگ بھی خونریز بہت ہے

پلکوں پہ کوئی پھول نہیں ہے تو عجب کیا
کہنے کو تو مٹی مری زرخیز بہت ہے

تم خود سا سمجھ کر نہ اسے ہاتھ لگانا
وہ خاک کا پتلا ہی سہی تیز بہت ہے

دھرنا ہے کہیں تو یہ گرانبارئ خاطر
زانو جو نہیں سر کے لیے میز بہت ہے

کیا ہے جو کٹورے کے بھی پیراک نہیں ہم
جینے کو تو یہ حیلۂ تبریز بہت ہے

تابش جو گزرتی ہی نہیں شام کی حد سے
سوچیں تو وہی رات سحر خیز بہت ہے

ebooksgallery.com

○

چیز دونوں کو حسبِ ہنر چاہیے
اس کو دیوار دے مجھ کو سر چاہیے

چند لمحوں کی شوریدگی کیا کروں
یہ تسلسل مجھے عمر بھر چاہیے

ایک مٹھی میں ہو مہلتِ یک نفس
ایک مٹھی میں عمرِ دگر چاہیے

چار سمتیں تو ہیں دیکھی بھالی ہوئی
اب کسی اور جانب سفر چاہیے

بیٹھے بیٹھے میں پتھرا نہ جاؤں کہیں
کوئی پیغامِ وحشت اثر چاہیے

حسن کی تازگی تک ہی قصہ نہیں
بات بھی اب کوئی تازہ تر چاہیے

میرے کاسے میں اشکوں کی ابجد نہ ڈال
اے خدا مجھ کو حرفِ دگر چاہیے

ebooksgallery.com

مجھ تہی جاں سے تجھے انکار پہلے تو نہ تھا
تیرا در میرے لیے دیوار پہلے تو نہ تھا

حسن نے سونپی ہے یہ کیسی تگوں ساری مجھے
میں کسی کا آئینہ بردار پہلے تو نہ تھا

اس طرح تو پابجولاں ہم نہ پھرتے تھے کبھی
ان گلی کوچوں میں یہ بازار پہلے تو نہ تھا

اب کہاں سے آئی اس کافر کے دل میں روشنی
آئینہ حلقہ بگوشِ یار پہلے تو نہ تھا

تابش اک دریوزہ گر کو باز رکھنے کے لیے
کوئی دروازہ پسِ دیوار پہلے تو نہ تھا

چاند نے ابر میں چہرے کو چھپا رکھا ہے
شاید اس گھر کے دریچے میں دیا رکھا ہے

ایک دھن ہے جو شب و روز رواں رکھتی ہے
ورنہ اپنا تو ہر اک کام کیا رکھا ہے

جاگ جائے نہ کہیں چاند کی آہٹ سن کر
لوریاں دے کے سمندر کو سلا رکھا ہے

عرصۂ پیری ہے کیوں اگلے قدم کی ٹھوکر
پاؤں رکھا ہے کہ مٹی پہ عصا رکھا ہے

ebooksgallery.com

گرفتِ خاک

میرے کمرے میں
زمیں پوش پہ رکھی ہوئی بوتل میں
فلک بیل جڑیں چھوڑ چکی ہے
رگِ جاں کی صورت
کس کو معلوم کہ وہ زینۂ دیوار پہ قدموں کو ٹکاتی ہوئی مائل بہ فلک ہے کب سے
کاٹھ کی چھت سے نکلتا ہے اسے بیج سے پودا جیسے
مزرعِ آب سے پھوٹی ہوئی اس بیل کو یہ کون بتائے
خس و خاشاک بڑی چیز ہوا کرتے ہیں
جن درختوں کی جڑیں خاک کے اندر پھیلیں
سرکشیدہ وہی ہوتے ہیں صنوبر کی طرح
اے فلک بیل تجھے کون بتائے
مرے سینے میں بھی اک بیل نکل آئی ہے

زینۂ آہ پہ قدموں کو ٹکاتی ہوئی مائل بہ فلک ہے کب سے
اپنی عجلت کے تعاقب میں یہ سیار قدم
زرد پتوں کو گراتی ہوئی بڑھ جاتی ہے
اس سبک گام سے یہ کون کہے
پہلے وہ اپنی جڑیں خاک میں گہری کر لے
پا بہ گِل لوگ بڑی چیز ہوا کرتے ہیں

ebooksgallery.com

○

ٹکرائیں گے پتھر سے گراں بار چلیں گے
ہم صورتِ آوازۂ کہسار چلیں گے

سر پھوڑ کے دیوار سے لوٹیں گے نہیں ہم
لوٹے بھی تو پھر جانبِ دیوار چلیں گے

اک دجلۂ آفات سہی دہر کی منزل
اک شوخ سے ملنا ہے سو اس پار چلیں گے

اجرام نئے آئیں گے اس محورِ جاں پر
اب خون نہیں جسم میں آزار چلیں گے

نہ سوچ کے ہمراہ انا گھر سے نکلنا
بونے بھی تہِ گنبدِ دستار چلیں گے

بال ان کے نہ چھوڑے گا ترا دستِ حنائی
اس شان سے اب تیرے گرفتار چلیں گے

ٹوٹے گا نہیں دشت نوردی کا تسلسل
رک جائیں گے ہم لوگ تو اشجار چلیں گے

کس گام پہ رکھنا ہے ہمیں عمر کی گٹھڑی
چلنے کو تو اک عمر گراں بار چلیں گے

ebooksgallery.com

آسمان

عدنان بیگ کے نام

ebooksgallery.com

سخن سرائے سے ایک خط

میں تمہارے بعد ایک طویل خود کلامی میں کھو گیا تھا۔ نہ میرا آئینے سے رابطہ رہا نہ بینا سے گفتگو۔ ایک دن میں نے سوچا کہ محبت محض ناکامی کا نام تو نہیں۔ اس سے ملنے والے دکھ بھی کبھی دنیا داری بھی سکھا دیا کرتے ہیں۔ مجھے دعویٰ تو نہیں لیکن میں نے بساط بھر دکھوں سے جینے کا حوصلہ حاصل کیا۔ ایک موقع پر میں نے محسوس کیا کہ میرے اندر تلخی پیدا ہو گئی ہے۔ اور میں منفی سوچ کا حامل ہوتا جا رہا ہوں۔ یوں لگا جیسے محبت کی نارسائیاں دنیا سے ناراضگی کا سبب بن گئی ہیں۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ تم سے قطع تعلق کر لوں اور پوری طرح عارف دنیا بن جاؤں۔ یہ کیفیت طویل تر انتظار کے دوران پیدا ہوئی۔ اس کے زیر اثر میں نے تمہارے متعلق نہ جانے کیا کیا سوچا۔ تم سے جتنی محبت تھی اس سے بڑھ کر نفرت کی لیکن جب تمہیں سامنے پایا تو نہ تم سے شکوہ تھا نہ شکایت۔ مجھ میں جس قدر تلخی تھی وہ تمہارے انتظار نے پیدا کی اور تم نے ختم کر دی۔ یہ تلخی بھی شاید محبت کی کوئی جہت تھی۔ تلخی کا ذکر اس لیے ابتداء میں آ گیا کہ میں آج کل اسی کیفیت سے گزر رہا ہوں۔ ہر چند میں نے تمہارے انتظار کی شدت کو کم کرنے کے لیے اوروں سے پیار کیا۔ لیکن پس عمر رواں جو غم ٹھہر گیا ہے وہ مہ و سال زندگانی کے ساتھ کسی طور جانے کو تیار نہیں۔ یہ غم روز سورج کی طرح طلوع ہوتا ہے اور اپنی تمازت سے ویرانہ جاں میں وہ کشش پیدا کرتا ہے جو مجھے مجھ سے دور نہیں ہونے دیتی۔ میں جس غم کی بات کر رہا ہوں یہ شاید میرا بنیادی موضوع ہے۔ اس غم نے ماہ عمل کے اتار چڑھاؤ خود میں ڈھال لیے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ میں ہر واقعے کو ایک جیسی شدت سے محسوس کرنے لگا ہوں۔

تمہیں شاید یاد ہو کہ یہ غم تم نے مجھے گورنمنٹ کالج کے کیفے ٹیریا کے ساتھ گراؤنڈ میں سرما کی دھوپ سینکتے ہوئے کسی بے خیالی کے لمحے میں دیا تھا یا ایک لمحہ میری زندگی پر محیط ہو گیا ہے۔ یہ لمحہ نہ میرا ماضی ہے نہ حال نہ مستقبل۔ یہ کوئی اور زمانہ ہے جو کئی زمانوں سے میرے ساتھ ساتھ ہے۔ اسی کے زیر اثر میں شعر کہتا ہوں۔ اس لمحے سے پہلے تک میں نے جو شاعری کی وہ حاصل مطالعہ تھی جس میں کہیں کہیں میں خود بھی تھا۔ لیکن بعد میں 'میں' بھی بدل گیا اور میری شاعری بھی ...... تجربہ میرے سامنے آ گیا۔ اب میں قافیے کا امکان اپنی کیفیات کے جھاڑ جھنکار سے ڈھونڈنے لگا۔ کچھ عرصہ تک تو مجھے یوں لگا جیسے میں اظہار سخن میں فوری ردعمل کا شکار ہوں۔ جو مجھ پر گزرتی ہے کہہ دیتا ہوں۔ جی کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے یا تمہیں سنانے کے لیے ...... آخر تم سے باتیں بھی تو کرنا تھیں کیونکہ میرے نزدیک محبت کا جذبہ بھی روحانی تجربے کی طرح یا تو نگاہوں سے عیاں ہوتا ہے یا شاعری کی زبان میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ میں شاعر تھا اس لیے سخن کی زبان میں تم سے تکلم کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن کہیں کہیں سکوت کا وقفہ آیا۔ اس دوران میں نے زبردستی شعر کہنے کی بجائے شاعرانہ کیفیت کو انجوائے کیا۔

اب تم سے بچھڑے زمانہ ہو گیا ہے جو باتیں میں تم سے کیا کرتا تھا اب خود سے کر رہا ہوں یہی وجہ ہے کہ میری شاعری میں خود کلامی کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ اس خود کلامی نے مجھے روحانی مطالبات پر توجہ کا متحمل بنایا۔ اب یہ عالم ہے کہ خود سے کبھی اپنی باتیں کرتا ہوں اور کبھی تمہاری ...... یہی سلسلہ میری شاعری کا سفر قرار پاتا ہے۔ اس میں کہیں کہیں دنیا اور اس کے غم بھی در آتے ہیں لیکن اسی طرح جیسے تم اور تمہارا غم ......!

تمہیں علم ہے کہ ہماری محبت میں موضوعی فقدان کبھی نہیں رہا تم نے کبھی کسی اور موضوع کو محبت سے فرار نہیں سمجھا۔ ویسے بھی محبت کرنے والے لوگ دیگر معاملات پر محبت کے نقطہ نظر ہی سے بات کرتے ہیں اس لیے دنیا کے غم کو "کسی" کا غم بنا لیتے ہیں۔ یہ بہت پرانی بات ہے لیکن ہے سچ! میں نے دنیا سے معاملات میں بہت دھوکے کھائے ہیں جب مجھے کوئی دست مہربان نہ ملا تو میں نے درختوں کو دست مہرباں سمجھنا شروع کر دیا اور ان سے ایسوسی ایشن قائم کی۔ تم نے ایک دفعہ کہا تھا کہ میری شاعری میں پرندے 'درخت' 'ہوا' چاند اور صبح کا ذکر تم سے زیادہ ہے۔

ebooksgallery.com

معلوم نہیں تم نے ان لفظوں کی تہہ میں میرے غم مستقل تک کیوں نہ رسائی حاصل کی ...... یہ لفظ تمہارے رقیب نہیں ہیں۔ یہ لفظ وہ رنگ ہیں جن سے میں اپنی کیفیت کو پینٹ کرتا ہوں اور محبت کے قرض سے عہدہ برآ ہوتا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں اول و آخر محبت کرنے والا ہوں۔ محبت میری زندگی ہے اور زندگی کو پیش کرتا شاعری! میرے نقادوں نے مجھے محبت کی شاعری کرنے سے روکا۔ کہا کہ اس پر بہت شاعری ہو چکی ہے اب اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ سچ کہتے ہوں لیکن میں اپنی ذات کے سچ (محبت) کو موضوع بنانے سے کیسے باز رہ سکتا ہوں بعض اوقات تو مجھے یوں لگتا ہے میں نے شاعری میں محبت کی ہے اور محبت میں شاعری۔

تم سے بچھڑے زمانہ ہو گیا ہے لیکن آج بھی تم سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے۔ دوستوں کا کہنا ہے کہ میری شاعری میں ہجر کا مسئلہ نہیں آتا۔ میں نے اس پر بہت غور کیا کہ تم نہیں ہو لیکن تمہاری کمی مجھے محسوس نہیں ہوتی۔ شاید میں نے تمہیں کبھی خود سے جدا نہیں سمجھا۔ چائے کو موڈ کرے تو دو کپ بناتا ہوں ایک اپنے لیے اور دوسرا تمہارے لیے۔ میں نہیں چاہتا کہ وصال کا موسم گزر جائے۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہارے قرب کا دن ڈھل جائے اور میری زندگی میں وقفہ شام و سحر آ جائے آج کل تو یہ کیفیت ہے کہ جب بھی تم سے ملنے کو جی کرتا ہے شعر کہنے لگتا ہوں۔ اسی لیے غزل میں تخاطب کا انداز پیدا ہوتا ہے کبھی تم سے مکالمہ کرتا ہوں اور کبھی خود سے ...... جس طرح محبت کار مسلسل ہے اسی طرح شاعری بھی ایک مسلسل عمل ہے۔ اس کا بھی "جو دم غافل سو دم کافر" والا معاملہ ہے میں ان دونوں کے سلسلے میں کبھی غافل نہیں ہوا ...... یار لوگ مجھے زود گو کہہ کر میری محنت یعنی محبت کو اکارت کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں کیسے بتاؤں کہ محبت اور شاعری دونوں میرے سانس کی طرح ہیں۔ میں سانس آخر کب تک روک سکتا ہوں؟ ...... زود گوئی کی مخالفت کرنے والے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اس سے یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ میرے ہاں یہ معاملہ نہیں اس لیے میں کبھی پریشان نہیں ہوتا۔ میری ہر تازہ غزل اتنی مختلف ضرور ہوتی ہے کہ اس پر کہی ہوئی غزل کا گمان نہیں گزرتا۔ جیسے تم سے ہر ملاقات اجنبیت سے شروع ہوتی ہے اسی طرح ہر نئی غزل کے دوران مری نوآموزی جاگ اٹھتی ہے۔ یوں لگتا ہے پہلی بار غزل کہہ رہا ہوں۔ تم نے ایک دفعہ میری روایت پسندی کے بارے میں بات کی تھی اور

ادھر ادھر کے اعتراضات پر استفسار کیا تھا۔ تم نے پوچھا تھا کہ میں محبت اور شاعری دونوں میں روایت پسند کیوں واقع ہوا ہوں۔ اس وقت تو میں نے کوئی جواب نہ دیا تھا لیکن اب مناسب سمجھتا ہوں کہ تمہارے اس سوال کا جواب بھی دیتا چلوں۔ میرے نزدیک شاعری خودرو پودا نہیں۔ کیا تم نے کوئی ایسا خودرو پودا دیکھا ہے جو قد آور ہو اور کوئی قابل ذکر پھل بھی دیتا ہو پھلدار درخت زیادہ تر پیوند کے محتاج ہوتے ہیں۔ پھلوں کی مٹھاس میں اضافے کے لیے پیوند کاری کی جاتی ہے۔ میں شاعری میں اسی کا قائل ہوں جب میں پیوند لگا رہا تھا لوگوں نے مجھ پر روایتی ہونے کا الزام لگایا۔ لیکن جب پھل آنے لگا تو وہی لوگ اپنی رائے بدلتے نظر آئے۔ میں بھی چاہتا تو بحور میں زحافات کی کمی بیشی اور مخصوص شعری لغت سے اپنی محدود انفرادیت قائم کرتا لیکن میں نے ایسا نہ کیا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے کچھ نوجوان سامنے آئے۔ انہوں نے اپنی انفرادیت کے زیر اثر دو چار چونکا دینے والی غزلیں کہیں اور چلتے بنے اب تم خود فیصلہ کرو کہ کیا فرق ہے ان نوجوانوں اور خودرو پودوں میں ......

میرے خیال میں غزل کی شاعری روایت اور تجربے کے توازن کا نام ہے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ "آسمان" کی شاعری میں یہ کام کر پایا ہوں لیکن ایسا کرنے کی حتی المقدور کوشش ضرور کی ہے۔ پس عمر رواں ٹھہرے ہوئے غم میں مجھے اتنی پرتیں نظر آ رہی ہیں کہ اس کو سخن میں ڈھالنے کے لیے ایک عمر شاید کم ہو۔ میں نے اس غم کی صداقت سے کبھی انکار نہیں کیا۔ میں نے اس پر غیر موزوں لفظوں کی ملمع کاری کر کے اپنے قاری کو خواہ مخواہ مرعوب کرنے کی کوشش نہیں کی۔

میرے ایج گروپ سے قبل کے شعراء نے لفظی بازی گری میں خود کو خرچ کیا خود بھی گمراہ ہوئے اور ہمارا بھی وقت ضائع کیا۔ ان شعراء نے محض لہجے کا لطف پیدا کرنے پر توجہ دی۔ نفس مضمون سے گریز کرتے رہے۔ اس دورخی نے انہیں الجھا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک آدھ کتاب کے بعد ان کی ہمت جواب دے گئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اساطیری علامتوں کا جواز اپنی زندگیوں میں ڈھونڈے بغیر انہیں استعمال کیا اس لیے وہ اپنی مخصوص اور منفرد شعری لغت سے زیادہ کام نہ لے سکے۔ ان میں سے کچھ شعراء نثری نظم کی طرف نکل گئے اور کچھ نے غزل میں کافی آہنگ پیدا کرنے کی کوشش کی اور کچھ بحور میں توڑ پھوڑ تک محدود ہو گئے ان شعراء پر

ebooksgallery.com

لکھی جانے والی تنقید بھی ٹائپ فقروں سے آگے نہیں بڑھ سکی۔

تم یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہیں بھول کے کسی اور طرف نکل گیا ہوں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ ''گفتگو کسی سے ہو دھیان تیرا رہتا ہے'' یہ دھیان ہی ایسی متاع ہے جس پر میری نسل کے شعراء کا اعتماد ہے۔ وہ اس دھیان سے اپنے سخن کا چراغ جلاتے ہیں۔ وہ تہہ در تہہ زندگی کو تہہ در تہہ انداز میں بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان میں کچھ تو جوان شعراء ایسے تھے جو اساطیری علامات کے تجربے میں گھر گئے۔ لیکن انہیں بھی جلد احساس ہو گیا کہ شاعری میں یہ نیا تجربہ ناکام ہو گیا ہے۔ اس طرح غزل بھی جدید افسانے کی طرح تجریدیت سے نکل آئی۔ اب غزل میری نسل کے شعراء کے ہاتھ میں ہے۔ جن کے ہاں اظہار کی سادگی اور موضوعات کا تنوع ہے وہ ذوق کی طرح مصرع کی صفائی ستھرائی پر ہی خرچ نہیں ہوتے بلکہ غالب کی پیروی میں مضمون آفرینی کا ڈول بھی ڈالتے ہیں۔

میں پھر اپنی خود کلامی کی طرف لوٹتا ہوں۔ تم میری کتاب پڑھو اور دیکھو کہ میں نے تمہیں اور تمہارے دیئے ہوئے غم کو کیسا کتاب کیا ہے۔ اچھا لگے تو ضرور داد دینا کہ تم وہ ''شاعر گو'' ہو جسے سخن شناسی میں بھی کمال حاصل ہے۔ اسی لیے تو تم سے مخاطب ہونا اچھا لگتا ہے۔

تمہیں یاد ہو گا کہ میں نے جب اپنی نئی کتاب کا نام ''آسمان'' تجویز کیا تو تم نے کہا ''تمہید'' کے بعد ''آسمان'' کیوں؟ آسمان تمہارا نام تھا۔ جو میں نے اپنی کتاب کو دے دیا۔ آسمان تم ہو...... آسمان نارسائی کا استعارہ ہے...... آسمان کی طرف دیکھنا یعنی تمہاری طرف دیکھنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ میں تمہارے لیے بہت سا سفر طے کر چکا ہوں لیکن تم ابھی تک تغافل کی بلندی پر ہو۔ چلے آؤ کہ میں نے نئے مکان میں تمہارے لیے در انتظار کھول دیا ہے۔ اس مکان کو گھر بنا دو کہ مکان اپنے مکین کی وجہ سے گھر بنتا ہے۔ مجھے بارش اور تازہ غزل کی طرح تمہارا انتظار رہے گا۔

تمہارا

عباس تابش

27۔ اگست 1991ء

جانے والے نے کہا جی کو برامت کیجے
اس سے بہتر ہے کوئی اور محبت کیجے

تو جو ہر بات پہ دیتا ہے پرندوں کی مثال
اس کا مطلب ہے ترے شہر سے ہجرت کیجے

ebooksgallery.com

○

سکوتِ دہر رگوں تک اتر گیا ہوتا
اگر میں شعر نہ کہتا تو مر گیا ہوتا

○

خواہشِ وصل سرِ دیدۂ نم رہ جائے
اس طرح مجھ سے بچھڑ میرا بھرم رہ جائے

کوئی آتا ہے مرے پیچھے ہوا کے مانند
کیسے ممکن ہے مرا نقشِ قدم رہ جائے

جانے والے کو ابھی ٹوٹ کے رو لو تابشؔ
کیا خبر کل کو یہ آزار بھی کم رہ جائے

ebooksgallery.com

○

شام ہوتی ہے تو یاد اس کو بھی گھر آتا ہے
اک پرندہ مرے کاندھے پہ اتر آتا ہے

چھپتا پھرتا ہوں کہ وہ دیکھ نہ لے زخمِ طلب
جسم کے پار اسے صاف نظر آتا ہے

○

یہ عجب ساعتِ رخصت ہے کہ ڈر لگتا ہے
شہر کا شہر مجھے رختِ سفر لگتا ہے

ہم کو دل نے نہیں حالات نے نزدیک کیا
دھوپ میں دور سے ہر شخص شجر لگتا ہے

جس پہ چلتے ہوئے سوچا تھا کہ لوٹ آؤں گا
اب وہ رستہ بھی مجھے شہر بدر لگتا ہے

مجھ سے تو دل بھی محبت میں نہیں خرچ ہوا
تم تو کہتے تھے کہ اس کام میں گھر لگتا ہے

ebooksgallery.com

وقت لفظوں سے بنائی ہوئی چادر جیسا
اوڑھ لیتا ہوں تو سب خواب ہنر لگتا ہے

ایک مدت سے مری ماں نہیں سوئی تابشؔ
میں نے اک بار کہا تھا مجھے ڈر لگتا ہے

○

عشق ہی کارِ مسلسل ہو گیا
زندگی کا مسئلہ حل ہو گیا

میرے آنسو میرے اندر ہی گرے
رونے سے جی اور بوجھل ہو گیا

آسماں پہلے نہیں تھا بے ستوں
لیکن اب دستِ دُعا شل ہو گیا

میں نے بھی اس کو بھلایا اور پھر
خوش ہوا اتنا کہ پاگل ہو گیا

ebooksgallery.com

پانیوں پر آخری ہچکی کے ساتھ
ایک افسانہ مکمل ہو گیا

برف کے پیڑوں پہ پھول آنے لگے
رابطہ اس نے معطل ہو گیا

گھومتا پھرتا ہے تنہا رات کو
سردیوں کا چاند پاگل ہو گیا

تابش اب تو سو ہی جانا چاہیے
سامنے کا گھر مقفل ہو گیا

○

مکاں بھر ہم کو ویرانی بہت ہے
مگر یہ دل کہ سیلانی بہت ہے

ہمارے پاؤں الٹے ہیں سو ہم کو
پلٹ جانے میں آسانی بہت ہے

ستارے چور آنکھوں سے نہ دیکھیں
زمیں پر میری نگرانی بہت ہے

ابھی سوکھی نہیں مٹی کی آنکھیں
ابھی دریاؤں میں پانی بہت ہے

ebooksgallery.com

عجب سی شرط ہے یہ زندگی بھی
جو منوائی ہے کم مائی بہت ہے

ضرورت ہی نہیں دشمن کی تابش
مجھے میری تن آسانی بہت ہے

○

طلسمِ خواب سے میرا بدن پتھر نہیں ہوتا
مری جب آنکھ کھلتی ہے میں بستر پر نہیں ہوتا

یقیں آتا نہیں تو مجھ کو یا مہتاب کو دیکھو
کہ رات اس کی بھی کٹ جاتی ہے جس کا گھر نہیں ہوتا

جدھر دیکھوں ادھر ہی دیکھتا رہتا ہوں پہروں تک
مجھے اطراف کا خالی ورق ازبر نہیں ہوتا

کھجوریں اور پانی لے کے آگے بڑھتا جاتا ہوں
مگر یہ کوہِ امکاں ہے کہ مجھ سے سر نہیں ہوتا

ebooksgallery.com

کم از کم مجھ سے دنیا کو شکایت تو نہیں ہو گی
میں اس جیسا ہی بن جاؤں اگر بہتر نہیں ہوتا

جواز اپنا بناتا ہوں کسی نادیدہ خطے میں
جہاں میری ضرورت ہو وہاں اکثر نہیں ہوتا

بہاتا ہوں کہیں اپنے سفالِ بے مرکب کو
میں گریہ کے دنوں میں چاکِ دنیا پر نہیں ہوتا

گلہ تو خیر کیا ہو گا بس اتنا تم سے کہنا ہے
تمہاری عمر میں کوئی ستم پرور نہیں ہوتا

تو پھر یوں ہے کہ میں نے اس کو چاہا ہی نہیں تابش
اگر اس کی شباہت کا گماں مجھ پر نہیں ہوتا

○

خمیدہ سر نہیں ہوتا میں خودداری کے موسم میں
مرا اک اپنا موسم ہے گرانباری کے موسم میں

میں ان گرہوں میں پانی باندھ کر لایا تھا دریا سے
مرے چہرے پہ آنکھیں تھیں عزاداری کے موسم میں

ہمارے کھلنے اور جھڑنے کے دن اک ساتھ آئے ہیں
ہمیں دیمک نے چاٹا ہے شجر کاری کے موسم میں

کہیں باہر کی زنجیریں نہ اندر تک پہنچ جائیں
گرفتہ دل نہیں ہوتا گرفتاری کے موسم میں

ebooksgallery.com

تمنا میں فراغت کا کوئی لمحہ نہیں ملتا
بڑی مصروفیت رہتی ہے بیکاری کے موسم میں

سیاست سے محبت کا کوئی رشتہ نکل آتا
کسی کے ہم بھی ہو رہتے طرفداری کے موسم میں

بہر صورت عزائم اور بال و پر بچانے ہیں
وگرنہ ہم نہیں تابش کمانداری کے موسم میں

○

ہمیں پچھاڑ کے کیا حیثیت تمہاری تھی
وہ جنگ تم بھی نہ جیتے جو ہم نے ہاری تھی

اور اب تمہیں بھی ہر اک شخص اچھا لگتا ہے
گئے دنوں میں یہی کیفیت ہماری تھی

ہمارے چہرے دمِ صبح دیکھتے آ کر
کہ ہم نے رات نہیں زندگی گزاری تھی

بچھڑ گیا وہ جدائی کے موڑ سے پہلے
کہ اس کے بعد محبت میں صرف خواری تھی

ebooksgallery.com

کبھی فصیل سے باہر کبھی فصیل کے بیچ
تلاش کرتی پھری شاخِ بے ثمر اس کو

○

پرندے پوچھتے ہیں تم نے کیا قصور کیا
وہ کیا کہیں جنہیں ہجرت نے گھر سے دور کیا

یہی بہت ہے کہ اس عہدِ بے پیمبر میں
کہیں چراغ کہیں خواب نے ظہور کیا

یہ میرا خاک میں ملنا بسا غنیمت ہے
کہ میں نے عجز کی خاطر بہت غرور کیا

فلک سے پھینک کے دیکھا کہ ٹوٹتے کا نہیں
گرا کے اپنی نگاہوں سے چور چور کیا

غبارِ در بدری جس نے کر دیا مجھ کو
مسافروں کو اسی دھوپ نے کھجور کیا

ebooksgallery.com

○

بیاں اپنی حقیقت کر رہا ہوں
وہ کہتے ہیں شکایت کر رہا ہوں

کبھی ان سے کہی تھی بات کوئی
مگر اب تک وضاحت کر رہا ہوں

بلا مقصد نہیں یہ دیکھنا بھی
کسی کو خوبصورت کر رہا ہوں

○

ہمیں تو خاک پہ حکمِ سفر دیا اس نے
وہ اور ہوں گے جنہیں کوئی گھر دیا اس نے

وہی کہ جس نے عطا کی گلاب کو خوشبو
مجھے بھی شوقِ اذیت سے بھر دیا اس نے

اسے نہ ملنے سے خوش فہمیاں تو رہتی ہیں
میں کیا کروں گا جو انکار کر دیا اس نے

دعائے ابر کا مقصد تو اور تھا کوئی
مرے چراغ کو پانی سے بھر دیا اس نے

ebooksgallery.com

میں ایک شاخِ مسلسل تھا اپنے خوابوں کی
ثمر کے بوجھ سے بیکار کر دیا اس نے

مری نگاہ کو کوئی فریب بھی دیتا
اگر یہ سچ ہے کہ حسنِ نظر دیا اس نے

○

کہیں چراغ کہیں چشمِ تر حوالہ ہے
ہر اک حوالہ مرا معتبر حوالہ ہے

تمہارے ساتھ محبت پہ گفتگو کیا ہو
تمہارا دشت ہے اور میرا گھر حوالہ ہے

یہ دوست بھی مری پہچان میرا چہرہ ہیں
اک اور بھی پسِ دیوار و در حوالہ ہے

میں اس قبیلۂ وحشی سے ہوں کہ جس کا یہاں
قیام ہوتے ہوئے بھی سفر حوالہ ہے

ebooksgallery.com

دھنک کے رنگ، گلِ ماہتاب کی خوشبو
تمہارے جسم سے منسوب ہر حوالہ ہے

مرے تو زخم سے سورج مکھی نکل آیا
ترے ستم کا یہی معتبر حوالہ ہے

کہیں میں کام کہیں صرف نام ہوں تابش
کہیں طویل کہیں مختصر حوالہ ہے

○

یہ جو اس سے مجھے محبت ہے
اک ضرورت بلا ضرورت ہے

اپنی تعریف سن نہیں سکتا
خود سے مجھ کو بلا کی وحشت ہے

یہ مرا یوں ہی بولتے رہنا
ان کہی بات کی وضاحت ہے

میں بھی شاید اسے گزار سکوں
زندگی عرصۂ ندامت ہے

ebooksgallery.com

اپنی تلوار تیز رکھتا ہوں
جانے کس سے مجھے عداوت ہے

بات ابھی کی ابھی نہیں ہے یاد
ایک لمحے میں کتنی وسعت ہے

دکھ ہوا آج دیکھ کر اس کو
وہ تو ویسا ہی خوبصورت ہے

ہم تو اک دوسرے میں رہتے ہیں
کیسی دوری ہے! کیسی قربت ہے!

نیم خوابی کا کیا کروں تابش
نیند بھی رت جگے کی صورت ہے

○

اس کا خیال خواب کے در سے نکل گیا
پھر میں بھی اپنے دیدۂ تر سے نکل گیا

پلکیں بھی بہہ گئیں خس و خاشاک کی طرح
میں اپنے ساحلوں کے اثر سے نکل گیا

تنہائی سے تھی میری ملاقات آخری
رویا اور اس کے بعد میں گھر سے نکل گیا

جب شمعِ انتظار اٹھا لی منڈیر سے
دستِ ہوا بھی حلقۂ در سے نکل گیا

ebooksgallery.com

رستے میں آنکھ تھی سنگ مامور کی طرح
دل میں جو چور تھا وہ کدھر سے نکل گیا

اب لے لے مجھ کو اپنی ہتھیلی کی اوٹ میں
میرا ستارہ برجِ سفر سے نکل گیا

میرے ہی ساتھ گھر میں نظر بند تھا تو پھر
تیرا خیال کون سے در سے نکل گیا

○

دیوار ہے کسی کی دریچہ کسی کا ہے
لگتا ہے گھر کا گھر ہی اثاثہ کسی کا ہے

اک اور ہاتھ بھی ہے پسِ رقصِ حیلہ جو
ہم تم تو پتلیاں ہیں تماشا کسی کا ہے

یہ جو ہیں میرے پاؤں کسی اور کے نہ ہوں
چل میں رہا ہوں نقشِ کفِ پا کسی کا ہے

اشکوں سے بھر رہا ہوں میں اپنی دریدہ مشک
اتنے برس کے بعد بھی دریا کسی کا ہے

ebooksgallery.com

کیسے کہوں کہ اپنی زباں بولتے ہیں ہم
الفاظ لاکھ اپنے ہوں لہجہ کسی کا ہے

ممکن نہیں کہ بھیک بھی گھر لے کے جائیں ہم
تابش ہمارے ہاتھ میں کاسہ کسی کا ہے

○

پھر بھٹکتا پھر رہا ہوں ہجر موسم کے لیے
یہ زیادہ کھو دیا میں نے کسی کم کے لیے

اس جہانِ خاک سے جو بھی تعلق ہو مرا
زندہ رہنا ہے مجھے اس ربطِ مبہم کے لیے

ایک ممنوعہ شجر کے ساتھ کاٹی زندگی
جرم جیسی یہ سزا ہے آلِ آدم کے لیے

اس کا مطلب ہے یہاں اب کوئی آئے گا ضرور
دم نکلنا چاہتا ہے خیر مقدم کے لیے

ebooksgallery.com

چھن رہی ہے دھوپ سی دیوارِ جاں کے اس طرف
میں بھی اب موزوں نہیں شاید ترے غم کے لیے

اس خزاں میں بھی وہی کاغذ کے پرزے جوڑ کر
اک شجر میں نے بنایا اپنے موسم کے لیے

خواب میرے یوں ہیں تابش جس طرح پانی پہ ریت
یہ شگون اچھا نہیں ہے دیدۂ نم کے لیے

○

ساحلوں پر مثلِ گوہر پھینک دے
اب تو مجھ کو اے سمندر پھینک دے

یہ جو گردش سی ہے میرے پاؤں میں
جانے کب بیرونِ محور پھینک دے

اے کسی کے شاخ سے نازک بدن
کوئی تازہ پھول ہم پر پھینک دے

دیکھ اپنے سامنے تو ہی نہ ہو
ہاتھ سے اپنے یہ پتھر پھینک دے

ebooksgallery.com

کوئی اندر کی گھٹن کا بھی علاج
گالیاں کاغذ پہ لکھ کر پھینک دے

شاید اس کے شور پر ہی شور ہو
کانچ کے برتن زمیں پر پھینک دے

پھول کی گٹھڑی گرا دی شاخ نے
یوں نہ ہو یہ جسم بھی سر پھینک دے

○

زمیں کے نیچے کوئی شے تھی آسماں کی طرح
میں اپنے پاؤں پہ کیا ٹھیرتا مکاں کی طرح

عجیب دھوکے دیئے پیار کی ضرورت نے
لگے شجر بھی مجھے دستِ مہرباں کی طرح

یہ تیرا دھیان کسی وقت کام آئے گا
ابھی لپیٹ کے رکھا ہے بادباں کی طرح

نہ میرے سر سے سرکتا نہ چھاؤں دیتا ہے
یہ کون مجھ پہ مسلط ہے آسماں کی طرح

ebooksgallery.com

یہ جان کر کہ بالآخر تو مجھ کو گرنا ہے
میں خستگی کو چھپاتا رہا مکاں کی طرح

مرے ہی گھر میں مرا معتبر حوالہ ہے
کہیں نہیں ہے کوئی سچ بھی میری ماں کی طرح

یہ جان کر کہ ہوا میری منتظر ہو گی
میں اپنے آپ سے نکلا گلِ خزاں کی طرح

عجب طرح کی ہے شاخوں میں تشنگی تابش
زمین چاٹ رہی ہیں مری زباں کی طرح

○

تہمت اتار پھینکی لبادہ بدل لیا
خود کو ضرورتوں سے زیادہ بدل لیا

جی چاہتا تھا روؤں اسے جاں سے مار کے
آنکھیں چھلک پڑیں تو ارادہ بدل لیا

جب دیکھا رہزنوں کی توجہ نہیں ادھر
شہزادگی سے خرقۂ سادہ بدل لیا

کیسے قبول کرتے مجسم غبار کو
منزل قریب آئی تو جادہ بدل لیا

ebooksgallery.com

○

چاند کا پتھر باندھ کے تن سے اتری منظرِ خواب میں چپ
چڑیاں دور سدھار گئیں اور ڈوب گئی تالاب میں چپ

○

دیوار پیش پا کا ہنر دے دیا گیا
دشمن کو میرے ساتھ کا گھر دے دیا گیا

بارش سی ہوتی رہتی ہے بارش کے بعد بھی
رہنے کو آبدیدہ شجر دے دیا گیا

اب کون سیرِ ماہ کرے رات رات بھر
ہر خانماں خراب کو گھر دے دیا گیا

ebooksgallery.com

○

میرے اندر خواہشیں پھرتی ہیں چوروں کی طرح
لیکن اس کے دھیان کو دعوئ نگہبانی کا ہے

○

بہت بیکار موسم ہے مگر کچھ کام کرنا ہے
کہ تازہ زخم ملنے تک پرانا زخم بھرنا ہے

ابھی سادہ ورق پر نام تیرا لکھ کے بیٹھا ہوں
ابھی اس میں مہک آنی ہے تتلی نے اترنا ہے

بڑھے جو حبس تو شاخیں ہلا دینا کہ اب ہم کو
ہوا کے ساتھ جینا ہے ہوا کے ساتھ مرنا ہے

مبادا اس کو وقت ہو نشانے تک پہنچنے میں
سو میں نے پھول سے دیوار کے رخنے کو بھرنا ہے

ebooksgallery.com

یہی اک شغل رکھنا ہے اذیت کے دنوں میں بھی
کسی کو بھول جانا ہے کسی کو یاد کرنا ہے

کوئی چہرہ نہ بن پایا مقدر کی لکیروں سے
سو اب اپنی ہتھیلی میں مجھے خود رنگ بھرنا ہے

کوئی رستہ ملے کیونکر مرے پائے خجالت کو
یہاں تو پاؤں دھرنا بھی کوئی الزام دھرنا ہے

وہ ہر لمحہ دعا دیتے ہیں لمبی عمر کی تابش
مجھے لگتا ہے پیاروں کو بھی رخصت میں نے کرنا ہے

○

جو کہہ چکے تھے تو پھر ہمارا یہ حال ہونا تو چاہیے تھا
کہ دے کے اس کی مثال اس کی مثال ہونا تو چاہیے تھا

میں چاہتا تھا کہ وہ ملے اور ملے بھی مجھ کو بغیر مانگے
اور اب یہ کہتا ہوں میرے لب پر سوال ہونا تو چاہیے تھا

یہ بات سچ ہے کہ ہم تھے فانی فنا ہماری سرشت میں تھی
مگر کسی کے لیے ہمیں لازوال ہونا تو چاہیے تھا

ہمارے ہاتھوں میں کچھ نہیں ہے فقط لکیریں ہیں وہ بھی مبہم
یہ ہاتھ تو نے دیئے تھے ان میں کمال ہونا تو چاہیے تھا

ebooksgallery.com

اگر میں سویا وہ کیوں نہ سویا اگر میں جاگا وہ کیوں نہ جاگا
وہ میرا تھا تو اسے مرے حسب حال ہونا تو چاہیے تھا

یہ بات اپنی جگہ کہ اس کی مثال کوئی نہیں ہے تابش
مگر جہاں میں کسی کو اس کی مثال ہونا تو چاہیے تھا

○

سانس کے شور کو جھنکار نہ سمجھا جائے
ہم کو اندر سے گرفتار نہ سمجھا جائے

اس کو رستے سے ہٹانے کا یہ مطلب تو نہیں
کسی دیوار کو دیوار نہ سمجھا جائے

میں کسی اور حوالے سے اسے دیکھتا ہوں
مجھ کو دنیا کا طرف دار نہ سمجھا جائے

یہ زمیں تو ہے کسی کاغذی کشتی جیسی
بیٹھ جاتا ہوں اگر بار نہ سمجھا جائے

ebooksgallery.com

اس کو عادت ہے گھنے پیڑ میں سو جانے کی
چاند کو دیدۂ بیدار نہ سمجھا جائے

اپنی باتوں پہ وہ قائم نہیں رہتا تابش
اس کے انکار کو انکار نہ سمجھا جائے

○

مٹی میں کوئی رنگ ملایا نہیں کرتے
یہ لوگ نئی چیز بنایا نہیں کرتے

کیا دیکھتا جاتا ہوں میں افلاک کی جانب
پنچھی تو کبھی دھوپ میں سایہ نہیں کرتے

گدھ بیٹھا ہے مٹی پہ وہاں سے کریں آغاز
نیچے سے عمارت کو گرایا نہیں کرتے

اک دربدری ہم کو بھی لاحق ہے مگر ہم
کونجوں کی طرح شور مچایا نہیں کرتے

یہ لوگ بھی قامت میں صنوبر کی طرح ہیں
اُگتے ہیں جہاں سے وہاں سایہ نہیں کرتے

ebooksgallery.com

○

آنکھ سے اشک نکلنے پہ پشیمان نہ ہو
یہ تو پانی کا پرندہ تھا جو تھل سے نکلا

○

شاید کسی بلا کا تھا سایہ درخت پر
چڑیوں نے رات شور مچایا درخت پر

موسم تمہارے ساتھ کا جانے کدھر گیا
تم آئے اور بور نہ آیا درخت پر

دیکھا نہ جائے دھوپ میں جلتا ہوا کوئی
میرا جو بس چلے کروں سایہ درخت پر

سب چھوڑے جا رہے تھے سفر کی نشانیاں
میں نے بھی ایک نقش بنایا درخت پر

ebooksgallery.com

اب کے بہار آئی ہے شاید غلط جگہ
جو زخم دل پہ آنا تھا آیا درخت پر

ہم دونوں اپنے اپنے گھروں میں مقیم ہیں
پڑتا نہیں درخت کا سایہ درخت پر

○

کون کہتا ہے محبت مر گئی
اس کی آنکھوں میں چمک موجود ہے

میری آنکھوں میں ہی پانی بھر گیا
وہ تو اب بھی دور تک موجود ہے

وہ بھی شاید رات رویا ہے بہت
سبز آنکھوں میں دھنک موجود ہے

وہ کسی کا بھی نہیں تابش مگر
اس یقیں کے ساتھ شک موجود ہے

ebooksgallery.com

○

منحرف ہیں مرے ساتھی تو خدا ہی آئے
میرے حق میں بھی کبھی کوئی گواہی آئے

آڑے آتی ہے یہ حساس طبیعت ورنہ
جی تو کرتا ہے یہاں روز تباہی آئے

کوئی افواہ بھی آنگن میں اتر سکتی ہے
یہ ضروری نہیں کھڑکی سے ہوا ہی آئے

راستہ اتنا بھی ویراں نہیں دیکھا جاتا
کوئی خوشبو، کوئی جھونکا، کوئی راہی آئے

کھل گیا بابِ قبول اور کسی پر تابش
میرے حصے میں مرے دستِ دعا ہی آئے

○

ایسا نہیں کہ پیاس کا صحرا نہیں ہوں میں
لیکن میانِ خیمہ و دریا نہیں ہوں میں

گر آگ ہوں تو شعلے سے باہر نہیں گیا
گر پھول ہوں تو شاخ سے اُکتا نہیں ہوں میں

گلدان میں مری ہوئی تتلی اور ایک پھول
سوچوں اگر تو اس سے زیادہ نہیں ہوں میں

یہ لوگ ڈھونڈتے ہیں کسی سے مطابقت
میرا یہ مسئلہ ہے کہ خود سا نہیں ہوں میں

ebooksgallery.com

نکلا ہوا ہوں اپنے تعاقب میں دیر سے
حالانکہ اپنا نقشِ کفِ پا نہیں ہوں میں

دستک ہر ایک در پہ میں دیتا ہوں دیر تک
لیکن کسی مکاں سے نکلتا نہیں ہوں میں

پچھلے کئی دنوں سے عجب بے خیالی ہے
یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ ہوں یا نہیں ہوں میں

اب آئینے سے ربط نہ مینا سے گفتگو
تابشؔ کسی کے بعد کسی کا نہیں ہوں میں

○

وہ آنے والا نہیں پھر بھی آنا چاہتا ہے
مگر وہ کوئی مناسب بہانا چاہتا ہے

یہ زندگی ہے، یہ تُو ہے، یہ روزگار کے دکھ
ابھی بتا دے کہاں آزمانا چاہتا ہے

کہ جیسے اس سے ملاقات پھر نہیں ہو گی
وہ ساری باتیں اکٹھی بتانا چاہتا ہے

میں سن رہا ہوں اندھیرے میں آہٹیں کیسی
یہ کون آیا ہے اور کون جانا چاہتا ہے

ebooksgallery.com

اسے خبر ہے کہ مجنوں کو راس ہے جنگل
وہ میرے گھر میں بھی پودے لگانا چاہتا ہے

وہ خود غرض ہے محبت کے باب میں تابشؔ
کہ ایک پل کے عوض اک زمانہ چاہتا ہے

○

جنہیں دشمن سمجھتے تھے وہی اپنے نکل آئے
مگر اس وقت جب ہم مارنے مرنے نکل آئے

یہاں تک آ کے لگتا تھا کہ آگے کچھ نہیں ہو گا
پلٹ جانے کا سوچا تو کئی رستے نکل آئے

ہمارے پاؤں الٹے تھے فقط چلنے سے کیا ہوتا
بہت آگے گئے لیکن بہت پیچھے نکل آئے

اچانک نیند کھلنے سے ہمیں دکھ تو بہت پہنچا
مگر ہم اس طرح کنجِ اذیت سے نکل آئے

ebooksgallery.com

بھلانا، یاد کرنا اور پھر تم کو بھلا دینا
تمہارے بعد بھی کچھ سلسلے اچھے نکل آئے

بھٹکنے سے بچایا حسنِ کم اطراف نے ہم کو
کہ صحرا بیچ تک آئے اور پھر سیدھے نکل آئے

مسائل کو گرہ دیں تو لہو رستا ہے پوروں سے
ہمارے چاکِ دامن سے یہ کیا دھاگے نکل آئے

کسی نے کاٹ ڈالا ان کو بے مصرف شجر کہہ کر
جب اپنے احتجاجی ہاتھ مٹی سے نکل آئے

مری کوتاہ دستی کا بھرم دیوار نے رکھا
میں دستک دینے والا تھا کہ دروازے نکل آئے

بکھر جانے کے ڈر سے پھول کھلتے ہی نہ تھے تابش
پھر اک دن تیز آندھی میں درختوں سے نکل آئے

○

یہ شہر روز ہی بستا ہے روز اجڑتا ہے
مگر غنیم کو کیا اس سے فرق پڑتا ہے

خدا نے ہم میں یہ کیا قدر مشترک رکھی
کہ میری آنکھ ترے لب سے پھول جھڑتا ہے

ہمارے ساتھ محبت کا جو سلوک بھی ہو
سوال یہ ہے کہ دنیا کا کیا بگڑتا ہے

شکستگی میں بھی معیار اپنے ہوتے ہیں
گرے مکان تو اپنے ہی پاؤں پڑتا ہے

ebooksgallery.com

یہی پسند نہیں ہے مجھے محبت میں
یہ روز روز جو دنیا سے کام پڑتا ہے

کچھ ایسی جم گئی سنجیدگی مرے رخ پر
کسی طرح سے یہ پتھر نہیں اکھڑتا ہے

ابھی جلے تھے ابھی بجھ بجھا گئے تابش
ہواؤں سے تو کوئی دم دیا بھی لڑتا ہے

○

عجب سا ذائقہ ہوں میں
زمیں کی اشتہا ہوں میں

شجر کٹنے نہیں دوں گا
پرندوں کی دعا ہوں میں

سمجھتا ہے اسے لیکن
کتابیں پڑھ رہا ہوں میں

ابھی چڑیاں نہ بولیں گی
بہت جاگا ہوا ہوں میں

مری تسکین کیسے ہو
تری جھوٹی انا ہوں میں

ebooksgallery.com

اکٹھے کر کے ٹوٹے پر
زمیں سے باندھتا ہوں میں

مکمل بھی ادھورا بھی
انوکھا تجربہ ہوں میں

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں
ابھی کیوں مر رہا ہوں میں

کسی کے منہ نہ لگ جاؤں
لہو کا ذائقہ ہوں میں

سفر اچھا نہیں لگتا
کہاں سے آ رہا ہوں میں

بہت مجبور ہوں تابش
مگر اپنا خدا ہوں میں

○

چاند چمکا جنگلوں پر آسماں کا در کھلا
یہ عجب قیدی شبِ تاریک کے اندر کھلا

آتشِ نو روز سے کچھ فاصلے پر پھول تھے
لوگ منظر پر گئے اور مجھ پہ پس منظر کھلا

میں ہی کیا اس کو بھی اب زعم شناسائی نہیں
وہ نہیں مجھ پر کھلا تو میں بھی کب اس پر کھلا

اے تکلف کیش دنیا میری مجبوری سمجھ
میں تو اپنے آپ سے بھی تیرے کہنے پر کھلا

ebooksgallery.com

دل کو ناکارہ سمجھ کر رکھ دیا تھا شام سے
جب ہوئی کمرے میں تاریکی تو یہ پتھر کھلا

یہ غنیمت ہے کہ اس سے گفتگو کرتا ہوں میں
تابش اس بت کے مقابل کوئی تو خودسر کھلا

○

پسِ غبار بھی اڑتا غبار اپنا تھا
ترے بہانے ہمیں انتظار اپنا تھا

کھڑے تھے اپنی جڑوں پر کسی شجر کی طرح
ہماری خاطرِ نازک پہ بار اپنا تھا

اسی لیے ہمیں سورج نے ساتھ رکھا تھا
کہ اک ستارے پہ دار و مدار اپنا تھا

ebooksgallery.com

○

آسماں پہلے نہیں تھا بے ستوں
لیکن اب دستِ دعا شل ہو گیا

○

اک ٹہنی پر پھولے پھلے ہیں پاکستان اور میں
ہر موسم میں ساتھ رہے ہیں پاکستان اور میں

کالی رات، ہوا طوفانی، مولا پار اتار!
ایک ہی کشتی میں بیٹھے ہیں پاکستان اور میں

غافل بھی نہیں رہنے دیتی خوف سمے کی رات
باری باری سو لیتے ہیں پاکستان اور میں

اس کے سر پر باپ کی پگڑی میں ہوں نافرمان
ایک ہی شخص کے دو بیٹے ہیں پاکستان اور میں

ebooksgallery.com

اور ابھی کچھ وقت لگے گا تھکن اتارنے میں
ہجرت کر کے آئے ہوئے ہیں پاکستان اور میں

اپنی مثال تو یوں ہے تابش جیسے دو مجذوب
اپنے آپ میں گم رہتے ہیں پاکستان اور میں

بے صدا ٹھہرے ہونٹ کھول کے ہم
آ چکے تنگ بول بول کے ہم

سر پہ ماں کی دعا کا سایہ نہیں
گھر سے نکلے ہیں جھوٹ بول کے ہم

اپنے اندر بھی اک تماشا ہے
کیا کریں کھڑکیوں کو کھول کے ہم

نام اس کا لیا نہیں جاتا
بات کرتے ہیں ناپ تول کے ہم

ebooksgallery.com

وہ ملے گا مگر ملے گا کسے
اسے ڈھونڈیں گے خود کو رول کے ہم

شاید اپنی صدا سنائی دے
دیکھ لیتے ہیں اونچا بول کے ہم

جو ملا اس پہ مر مٹے تابش
کتنے اچھے تھے میل جول کے ہم

○

کون کس کا ہے ہمسفر اے دوست
ایسا ممکن نہیں مگر اے دوست

فرصتِ یک نگاہ بھی تو نہیں
بات کر اور مختصر اے دوست

تو نے چھوڑا جہاں وہیں ہیں ہم
طے نہیں ہو رہا سفر اے دوست

جا نہیں ماہ و سال کے مانند
تجھ کو آنا ہے لوٹ کر اے دوست

ebooksgallery.com

زندگی تو یہاں گزرنا تھی
لے چلا تو ہمیں کدھر اے دوست

اب کسی اور سمت چلتے ہیں
تھک گئی ہے یہ رہگذر اے دوست

اس طرح تو نہ وقت گزرے گا
کوئی اچھی بری خبر اے دوست

کوئی رستہ ضرور نکلے گا
گھومتے ہیں اِدھر اُدھر اے دوست

اس لیے گھر سے میں نکلتا نہیں
ساتھ جاتے ہیں بام و در اے دوست

○

اس کی خواہش کروں تو یہ دھڑکا ملے
جانے کب وہ ملے اور کیسا ملے

اتفاقات کو میں نہیں مانتا
کوئی بچھڑے، بچھڑ کر دوبارہ ملے

کیسے ممکن ہے تسخیرِ دنیا نہ ہو
ایک تجھ سا ملے ایک مجھ سا ملے

تو کسی حال میں میں کسی حال میں
کیسے ہم کو یہاں ایک فردا ملے

ebooksgallery.com

بد دعا ہے تو پھر بد دعا ہی سہی
تیرے کچے گھڑے کو نہ دریا ملے

رتجگے تو ہیں کانٹوں بھری ٹہنیاں
کوئی سپنا ملے اور سہانا ملے

جس کو سوتا ہوا چھوڑ آئے تھے ہم
کس کو معلوم وہ کس گھڑی آ ملے

کوئی ملتا نہیں اور تجسس وہی
کوئی ایسا ملے، کوئی ایسا ملے

اس کڑی شرط نے مجھ کو تنہا رکھا
کوئی دشمن ملے اور مجھ سا ملے

تابش اپنی کہانی کا لبِ لباب
ایک چہرہ ملے اور پیارا ملے

○

سکوتِ دہر رگوں تک اتر گیا ہوتا
اگر میں شعر نہ کہتا تو مر گیا ہوتا

یہ عمر تم نے مجھے دی تھی انا کر کے
بلا یہ تن سے نہ جاتی تو سر گیا ہوتا

سمیٹ رکھا ہے اپنے ہی خوف نے مجھ کو
اگر میں خاک نہ ہوتا بکھر گیا ہوتا

مجھے کلام پہ مجبور اگر نہ کرتا دل
مرا سکوت کوئی کام کر گیا ہوتا

ebooksgallery.com

تیاگ دیتے اگر ہم مکالمہ اس سے
ہوائے تیز ترا شور و شر گیا ہوتا

یہاں جو اونچی فصیلوں سے پیڑ جھانکتے ہیں
اگر میں ان کی جگہ ہوتا ڈر گیا ہوتا

تم اپنی سالگرہ پر ہی کھولتے پنجرے
اجاڑ دن تو پرندوں سے بھر گیا ہوتا

وہ ایک نام ہی تھا اشک تو نہ تھا تابش
میں کوئی روز اسے ضبط کر گیا ہوتا

○

وہ کون ہے جو پسِ چشمِ تر نہیں آتا
سمجھ تو آتا ہے لیکن نظر نہیں آتا

اگر یہ تم ہو تو ثابت کرو کہ یہ تم ہو
گیا ہوا تو کوئی لوٹ کر نہیں آتا

یہ دل بھی کیسا شجر ہے کہ جس کی شاخوں پر
پرندے آتے ہیں لیکن ثمر نہیں آتا

یہ جمع خرچ زبانی ہے اس کے بارے میں
کوئی بھی شخص اسے دیکھ کر نہیں آتا

ebooksgallery.com

ہماری خاک پہ اندھی ہوا کا پہرہ ہے
اسے خبر ہے یہاں کوزہ گر نہیں آتا

یہ بات سچ ہے کہ اس کو بھلا دیا میں نے
مگر یقیں مجھے اس بات پر نہیں آتا

نظر جمائے رکھوں گا میں چاند پر تابش
کہ جب تلک یہ پرندہ اتر نہیں آتا

○

کھلا مہتاب بھی ٹوٹے ہوئے در کے حوالے سے
سمجھتا ہوں میں اشیاء کو فقط گھر کے حوالے سے

مرے مایوس ہونے سے ذرا پہلے ہی لوٹ آنا
کہ میں بھی سوچتا ہوں اب مقدر کے حوالے سے

اگر سوچا کبھی میں نے تری قامت نگاری کا
حوالہ مختلف دوں گا صنوبر کے حوالے سے

کہ تجھ پر ختم تھا روئے سخن اپنی طرف کرنا
بتا کیا گفتگو کرتے گلِ تر کے حوالے سے

ebooksgallery.com

کئی چہرے بدل کر میں پہنچ پایا ہوں تیرے تک
مجھے پہچان میرے دیدۂ تر کے حوالے سے

دلِ برباد اتنا بھی گیا گزرا نہیں تابشؔ
یہ بستی جاتی ہے اسی گھر کے حوالے سے

○

وحشتِ جنون و کوہ ارادہ اٹھا لیا
سنبھلے گا کیسے بوجھ تو اتنا اٹھا لیا

اس لب کے سارے پھول تو شاخوں نے لے لیے
اور میں نے اک گرا ہوا وعدہ اٹھا لیا

کیا کچھ نہیں تھا مالِ غنیمت کے طور پر
میں نے بس ایک طوقِ تمنا اٹھا لیا

شاید میں دل کو ضبط سے لبریز کر سکوں
خالی تھا اس لیے یہ پیالہ اٹھا لیا

انگارہ سی زمیں پہ پڑے ہی تھے دل کے پاؤں
تابشؔ کسی نے بڑھ کے یہ بچہ اٹھا لیا

ebooksgallery.com

○

دروازہ کھٹکنے کی صدا لے گئی گھر سے
پیغامِ رہائی مجھے زنجیر سے پہنچا

○

اسی لیے مرا سایہ مجھے گوارا نہیں
یہ میرا دوست ہے لیکن مرا سہارا نہیں

یہ مہر و ماہ بھی آخر کو ڈوب جاتے ہیں
ہمارے ساتھ کسی کا یہاں گزارا نہیں

ہر ایک لفظ نہیں تیرے نام میں شامل
ہر ایک لفظ محبت کا استعارہ نہیں

تمہی سے چلتے ہیں سب سلسلے تعلق کے
وہ اپنا کیسے بنے گا کہ جو تمہارا نہیں

ebooksgallery.com

اور اب برہنگی اپنی چھپاتا پھرتا ہوں
مرا خیال تھا میں خود پہ آشکارا نہیں

ابھی میں نشۂ لا حاصلی میں رہتا ہوں
ابھی یہ تلخیٔ دنیا مجھے گوارا نہیں

لیے تو پھرتا ہوں آنکھوں میں ناتمام سا نقش
اسے مٹاؤں گا کیسے جسے ابھارا نہیں

زمیں کا حسن مکمل نہ ہو سکا تابش
کہیں چراغ نہیں ہے کہیں ستارہ نہیں

○

کون کہتا ہے کہ وہ بھولتا جاتا ہے مجھے
اپنا چہرہ نہ سہی رہ تو دکھاتا ہے مجھے

صبح کے ساتھ میں کھو جاتا ہوں بچے کی طرح
شام ہوتے ہی کوئی ڈھونڈ کے لاتا ہے مجھے

آپ کچھ اور بتاتے ہیں مرے بارے میں
آئینہ اور کوئی شکل دکھاتا ہے مجھے

آج اک عمر میں یہ بھید کھلا ہے مجھ پر
وہ کوئی اور نہیں ہے جو ڈراتا ہے مجھے

ebooksgallery.com

سرد مہری میں یہ سورج بھی ہے تیرے جیسا
دور ہی دور سے جو دیکھتا جاتا ہے مجھے

یہ نہ میں ہوں نہ ہوا ہے نہ فضا ہے تابش
میرے لہجے میں کوئی اور بلاتا ہے مجھے

○

ہنسنے نہیں دیتا کبھی رونے نہیں دیتا
یہ دل تو کوئی کام بھی ہونے نہیں دیتا

تم مانگ رہے ہو مرے دل سے مری خواہش
بچہ تو کبھی اپنے کھلونے نہیں دیتا

میں آپ اٹھاتا ہوں شب و روز کی ذلت
یہ بوجھ کسی اور کو ڈھونے نہیں دیتا

وہ کون ہے اس سے تو میں واقف بھی نہیں ہوں
جو مجھ کو کسی اور کا ہونے نہیں دیتا

ebooksgallery.com

○

اب پھول رفتنی نہیں خوشبو گزشتنی نہیں
بچھڑا وہ جس مقام پر موسم وہیں ٹھہر گیا

○

وہ بھولتا ہے نہ دل میں اتارتا ہے مجھے
ہمیشہ مار محبت کی مارتا ہے مجھے

میں اس کا لمحہء موجود ہوں مگر وہ شخص
فضول وقت سمجھ کر گزارتا ہے مجھے

بظاہر ایسا نہیں پیڑ اس حویلی کا
ہوا چلے تو بہت پھول مارتا ہے مجھے

میں اس کے ہاتھ سے جاتا ہوں مال و زر کی طرح
وہ روز قرض سمجھ کر اتارتا ہے مجھے

ebooksgallery.com

○

ڈھلتا سورج تو نہ ہاتھ آیا کہ لاتے اس کو
ایک رستہ تھا جسے شام کو گھر لے آئے

○

اس جہاں میں عجب نہیں کچھ بھی
پہلے کیا کچھ تھا اب نہیں کچھ بھی

پھول کھلتا ہے شاخ سے باہر
خندۂ زیرِ لب نہیں کچھ بھی

مختصر یہ کہ اچھے لگتے ہو
چاہنے کا سبب نہیں کچھ بھی

نامرادی کے دشت میں تابش
ڈھونڈتا کیا ہوں جب نہیں کچھ بھی

ebooksgallery.com

○

ہاتھ تو اس نے بڑھایا مری جانب اپنا
کیا خبر شاخ ہی ساتھ اپنا شجر لے آئے

○

دھندلی سمتوں میں اگر کونج کا پر مل جائے
پھر تو اے دربدری مجھ کو بھی گھر مل جائے

اور ہی رنگ میں ہو برگ و ثمر کا ہونا
جس کی خواہش ہے مجھے وہ بھی اگر مل جائے

منتظر جس کا ہوں وہ آئے ضروری تو نہیں
یہ بھی ممکن ہے کوئی اور خبر مل جائے

خاک و خواب ایک ہی تھیلی کے ہیں چٹے بٹے
دل کی مرضی ہے جدھر چاہے ادھر مل جائے

ebooksgallery.com

اہتمام ایسا ہو فرصت کے دنوں میں دل کا
ایک ڈر ختم ہو اور دوسرا ڈر مل جائے

اس طرح سے نہ گزاروں گا یقیناً تجھ کو
زندگی تُو جو مجھے بار دگر مل جائے

○

میرے آنسو میرے اندر ہی گرے
رونے سے جی اور بوجھل ہو گیا

ebooksgallery.com

○

وہ غزالوں کی طرح گھر سے تو نکلا تابش
عین ممکن ہے اسے خوف ادھر لے آئے

○

بوئے موجود سے موہوم اشارے تک ہے
میری حیرت کسی ڈوبے ہوئے تارے تک ہے

ہم نے اک عمر ترے دھیان میں رہ کر دیکھا
یہ سمندر بھی کسی اور کنارے تک ہے

اس سے آگے مجھے معلوم نہیں کیا ہو گا
یہ چراغاں تو بستی کے دوارے تک ہے

تجھ مہک کو نہ ملا کوئی ہواؤں جیسا
ایک ہم ہیں سو تری بات ہمارے تک ہے

ebooksgallery.com

میری نظروں میں ہے خس خانہ عالم جو بھی
سب تری نیم نگاہی کے اشارے تک ہے

پہلے ہم ناز اٹھاتے تھے بہت اس دل کے
لیکن اب اس کی کفالت بھی گزارے تک ہے

○

شام کا بھولا ہوا وقتِ سحر آ جائے گا
وہ بھی سورج کی طرح کل لوٹ کر آ جائے گا

اس قدر شفاف کر دے گی یہ تنہائی مجھے
دیکھنے والوں کو تُو مجھ میں نظر آ جائے گا

اس لیے ڈھلنے نہیں دیتے تری قربت کا دن
زندگی میں وقفۂ شام و سحر آ جائے گا

پا شکستوں کا بھرم رکھیں گی کب تک کشتیاں
پانیوں کے بعد خشکی کا سفر آ جائے گا

زندہ رہنا ہے کسی کے بعد سو تابش مجھے
اک نہ اک دن زندہ رہنے کا ہنر آ جائے گا

ebooksgallery.com

○

جھونکے کے ساتھ چھت گئی دستک کے ساتھ در گیا
تازہ ہوا کے شوق میں میرا تو سارا گھر گیا

○

یہ ہجر کا موسم بھی گزر کیوں نہیں جاتا
جاتا ہوا لگتا ہے مگر کیوں نہیں جاتا

بہتا ہوں تو میری کوئی گہرائی بھی ہو گی
دریا کی طرح خود میں اتر کیوں نہیں جاتا

لازم ہے کہ جاگے کبھی بچے کی طرح بھی
یہ شہر کسی خواب سے ڈر کیوں نہیں جاتا

ملبے سے نکل آتا ہے آسیب کی مانند
لوگوں کی طرح خوف بھی مر کیوں نہیں جاتا

ebooksgallery.com

اس کنج میں مدت سے بہار آئی نہیں ہے
یہ باغ مری آنکھ میں بھر کیوں نہیں جاتا

یہ بھید بھی کھلنے نہ دیا دربدری نے
گھر کے لیے جاتا ہوں تو گھر کیوں نہیں جاتا

ملبوں سے کیوں منتِ یکجائی ہے تابش
میں ٹوٹ چکا ہوں تو بکھر کیوں نہیں جاتا

○

طلوعِ ہجر کی بستی میں چاند سا نکلے
کبھی تو گھر سے مرا یارِ کم نما نکلے

میں کیا کروں کہ مجھے بولنے کی عادت ہے
خدا کرے نہ مرے دل سے مدعا نکلے

یہ دل کہ ڈوبنے لگتا ہے دیکھ کر اس کو
یہ ناؤ ساحلِ رسوائی پر نہ جا نکلے

بلند ہو کے بھی پہنچے نہ آسمانوں تک
یہاں کے سارے شجر دستِ بے دعا نکلے

ebooksgallery.com

○

گزشتہ امتوں کی انتہا سے ڈر نہیں لگتا
''یہ کیسے لوگ ہیں جن کو خدا سے ڈر نہیں لگتا''

○

جمالِ یار کی مشعل اٹھا کے دیکھتے ہیں
نہ جانے کون کہاں ہے، یہ جا کے دیکھتے ہیں

کسی کی راہ میں پتے بچھا رہا ہے کوئی
شجر کی اوٹ سے جھونکے ہوا کے دیکھتے ہیں

سسک رہی ہے اگر بات لفظ کے نیچے
تو ایسا کرتے ہیں پتھر ہٹا کے دیکھتے ہیں

جو کھو گیا تھا بہرحال ڈھونڈنا ہے اسے
نہیں چراغ تو خیمہ جلا کے دیکھتے ہیں

انا رہے گی ہماری مگر بھرم اس کا
اسی کے لہجے میں اس کو بلا کے دیکھتے ہیں

ebooksgallery.com

○

اس کو جا کر دیکھنا مصرف تو حیرانی کا ہے
میرے ساتھ اک مسئلہ میری تن آسانی کا ہے

○

کبھی نیندیں کبھی آنکھوں میں پانی بھیج دیتا ہے
وہ خود آتا نہیں اپنی نشانی بھیج دیتا ہے

بناتا ہے وہ کاغذ پر شجر اور بعد ازاں ان کو
مری جانب برائے باغبانی بھیج دیتا ہے

کسی کو سر اٹھانے کی بھی فرصت کیوں میسر ہو
وہ ہر سر کے مطابق سرگرانی بھیج دیتا ہے

میں جب متروک ہوتا ہوں پرانے لفظ کی صورت
مجھے تابش کوئی تازہ معانی بھیج دیتا ہے

ebooksgallery.com

○

دباؤ جھیلنے والے دباؤ میں نہیں آتے
شکستہ بادبانوں کو ہوا سے ڈر نہیں لگتا

○

شامِ سفر کی حد پہ تھے دن رات کی طرح
ہم بھی کبھی ملے تھے تضادات کی طرح

تو نے تو اپنے ساتھ مجھے بھی بدل دیا
میں تو نہیں تھا تیرے خیالات کی طرح

یہ پیڑ بھی عجیب ہیں ہنستے نہیں کبھی
پھولوں کو ضبط کرتے ہیں جذبات کی طرح

سورج کے سائباں میں کوئی چھید پڑ گیا
اب روشنی بھی ہوتی ہے برسات کی طرح

ebooksgallery.com

شہروں سے تنگ اور ہم آہنگ بھی بہت
بالکل یہ کنجِ دل ہے مضافات کی طرح

یہ بھی جمالِ یار کا احسان کم نہیں
ہم پر اثر کیا نہیں حالات کی طرح

یوں ہی سا ایک چہرہ کہ دیکھا تھا سرسری
اب کھل رہا ہے مجھ پہ کرامات کی طرح

بازار جا کے بھی نہ بھلا پایا میں اسے
یاد آیا وہ مجھے مری اوقات کی طرح

○

تو جو ہر بات پہ دیتا ہے پرندوں کی مثال
اس کا مطلب ہے ترے شہر سے ہجرت کیجے

ebooksgallery.com

○

کہیں رستے میں پھینک آئے ہیں اپنی مشعلیں ہم لوگ
ہوا کے سامنے ہیں اور ہوا سے ڈر نہیں لگتا

○

سنہرے خواب بنے، خاک سے نباہ کیا
یہ کام میر کا ہم نے مثالِ ماہ کیا

وہی گھڑی تھی سفر میں قیام کرنے کی
ترے خیال نے جب ہم کو گردِ راہ کیا

اسی زمین پہ ٹوٹے ہیں آسمان بہت
اسی زمین نے افلاک سے نباہ کیا

جبینِ شوق سے سجدے ٹپکنے والے تھے
سو ہم نے اپنے ہی قدموں کو بارگاہ کیا

ebooksgallery.com

اور اب نگاہ میں جس کو چھپائے پھرتا ہوں
اسی چراغ نے ہر آئینہ سیاہ کیا

اسی لیے ہے کھنڈر پر گمان بام و در
جو گھر بنا ہی نہیں تھا اسے تباہ کیا

اگرچہ زندہ رہے عشق کے تسلسل میں
مگر یہ کام طبیعت نے گاہ گاہ کیا

○

چہکے گا شجر پر نہ مرے گھر میں رہے گا
وہ چاند ہے اور چاند سمندر میں رہے گا

اب سانپ کے مانند مرے پیچھے پڑا ہے
شب کو یہی سایہ مرے پیکر میں رہے گا

خواہش کو عدا رزق بہم کرتا ہے دل میں
لگتا ہے یہ کیڑا اسی پتھر میں رہے گا

آئے ہیں تو ستا کے چلے جائیں گے پنچھی
وہ پیڑ اسی طرح اسی گھر میں رہے گا

ebooksgallery.com

تارے بھی تو محور سے نکل جاتے ہیں پیارے
آخر کوئی کب تک ترے چکر میں رہے گا

یہ عشق بھی رہتا نہیں لگتا مجھے تابش
سر چڑھ کے جو بولے وہ کہاں سر میں رہے گا

واپسی

یہ بارہ سال پہلے کی کہانی ہے
کہ جب سرسوں کی گندل تھا بدن میرا
ہوا مجھ کو کھلاتی تھی
مجھے چرخے کی گھوکر ہی سے گہری نیند آتی تھی
دہن میں شیرِ مادر کی مہک کے آخری دن تھے
جوانی جھلملاتی تھی
مری آنکھیں، مرے ہاتھوں، میرے پیروں میں بوسے تھے
مری ماں مسکراتی تھی

یہ بارہ سال پہلے کی کہانی ہے
میں اپنے آپ میں رہتا تھا جیسے پھول میں خوشبو

ebooksgallery.com

مجھے اک نام جو گڑ کی طرح میٹھا تھا اب بھی ہے
اس کی شکریں چھب میں
کہانی لو بڑھاتی تھی

یہ بارہ سال پہلے کی کہانی ہے
میں ہاتھوں سے گرا حرفِ دعا بن کر
مگر بوسوں بھری شفقت تسلی ڈھونڈ لاتی تھی
نہ میں سرسوں کی گندل تھا
نہ مجھ کو نیند آتی تھی
عجب سی بے ثباتی تھی
پھر اک دن بے گھری مجھ کو مرے گھر سے نکال آئی
کہ جیسے آنکھ سے آنسو نکل کر پھر نہیں آتا
تجھے تو سب خبر ہو گی
مجھے ملکِ جنوں میراث میں دے کر کوئی واپس پلٹ آیا
وہاں کی جاگتی راتیں
سرِ خامہ اترتی نیند کی گھاتیں
وہ دفتر میں پڑے پتھر کی لب سے پھوٹتی باتیں
نہ میں سرسوں کی گندل تھا

نہ اب پہرے کی ٹھوکر کی لے مجھ کو نیند آجاتی
پری مجھ کو ڈرا جاتی

یہ بارہ روز پہلے کی کہانی ہے
مجھے گاڑی نے اسٹیشن پہ لا پھینکا
تو میرا شہر ہی گم تھا
مری پہچان ہی گم تھی
مرے دکھ سے بھرا تانگہ گیا جب ریلوے بازار کی جانب
مرا گھر بھی مرے بچپن کی صورت
گردِ گزراں میں کہیں گم تھا
پھر اک شہتوت کی چھاؤں سے پوچھا اپنے بارے میں
پھر اک بے عمر پچواڑی کا شکنوں سے بھرا چہرہ
کسی سیاح کے نقشے کی صورت کھل گیا مجھ پر
نہ اس میں میرا بچپن تھا
نہ میرے خانہ زادوں کی نشانی تھی
پھر اک دکان پر لٹکی ہوئی تصویر سے پوچھا
تجھے تو سب خبر ہو گی
یہاں عباس تابش نام کا اک شخص رہتا تھا

ebooksgallery.com

کہاں ہے وہ
نہ اب سرسوں کی گندل ہے
نہ وہ چرخے کی گھوکر ہے
مگر اب بند دروازے پہ دھندلے نام کی تختی
مرے گھر کی نشانی ہے
یہ میری آج کے دن کی کہانی ہے

جی۔ سی میں نینا کے ساتھ پہلا دن

پہلا دن ہے
کالج کی آباد سرا میں یہ پہلا دن ہے
اوول میں پھولوں کی پلٹن دھوپ کی کلیاں چنتی ہے
اور سرخ پرندہ ٹاور کی چوٹی سے گیت گراتا ہے
تو بھی خوشی کے پاگل پن سے باہر آ...... او پاگل تتلی
دیکھ چمکتے پھولوں کی لب بوسی پر
وہ پاس ہی رکھے بینچ پہ بیٹھی نینا پر
اور اس کے پاس کھڑے اک آدم زاد کی بجھی بجھی پیشانی پر
یہ پہلا دن ہے
آؤ نینا
پہلے دن کی ہری بھری ویرانی میں
کچھ پھول کھلائیں جاگنے والی آنکھوں جیسے
آؤ نینا

ebooksgallery.com

بوڑھی ماں کے دل جیسے کمروں میں بیٹھیں
کمرے......جن میں عمریں ٹھہر گئی ہیں
عمریں......جن کے جسموں میں صندل کی
خوشبو رچی ہوئی ہے
خوشبو......جس سے وصل کے لمحے جڑے ہوئے ہیں
لمحے......جن کے سٹاوے کا پہلا دن ہے
آؤ نینا
پہلے دن کے باغیچے میں تتلی پکڑیں
خوشبو ڈھونڈیں
پہلے دن کے لہجے میں ہم
پطرس کو آوازیں دیں
اس دن کی کڑی اداسی ہنستے دکھ کی بھینٹ چڑھائیں
کالج کی کینٹین پہ جائیں
چائے کی پیالی میں بچپن کا چہرہ دیکھیں
یاد کریں وہ دن جب ہم بھی پھولوں جیسی چھب رکھتے تھے
آؤ نینا
اس سے پہلے
ٹاور پر بیٹھا یہ سرخ پرندہ اڑ جائے

ہم آج کے دن کا اک اک لمحہ
تین سو پینسٹھ دنوں کے خالی کشکولوں میں بھر دیں
آؤ نینا
ٹاور کے گھڑیال کی سوئی
سرخ پرندے کی منقار ہوئی جاتی ہے
اس سے قبل کہ لمحے چوگا بن جائیں
ہم کالج کے آباد سرا میں
پہلے دن کی خوشی سے پاگل ہو جائیں

ebooksgallery.com

پرندوں اور درختوں کا ہمزاد

(عدنان بیگ کے لیے)

پرندوں کی زباں تم جانتے ہو
درختوں سے تمہاری دوستی ہے
محبت نے تمہیں عورت کے دل سے لے کے دنیا تک
برش سے الجھنوں میں رنگ بھرنے
موقلم سے زخم لکھنے اور یاروں میں اداسی کا نیا مفہوم دے کر
نظم کہنے کا سلیقہ دے دیا ہے
تمہارے لفظ سچے ہیں
کسی عورت کی آنکھوں میں جھلکتی خواہشوں جیسے
زمینوں سے زمانوں تک
کسی تصویر میں ٹھہرے خیالوں سے پرندوں کی اڑانوں تک
تمہارے لفظ سچے ہیں
تمہارے رنگ گہرے ہیں

مرے دل کی طرح ان سے کئی معنی نکلتے ہیں
درخت ان کو سمجھتے ہیں
تمہارے رنگ گہرے ہیں
مگر سب پر تمہارا رنگ غالب ہے
پکاسو کی طرح تم اپنی تصویروں سے آگے ہو
مگر یہ دکھ کہاں تم جانتے ہو
یہاں کی سرد بازاری سے باہر
تم کسی عورت کے دل سے شہریت لے کر
مجھے نظمیں سناتے ہو
کہ میں بھی اک شجر ہوں، اک پرندہ ہوں
درختوں سے تمہاری دوستی ہے
پرندوں کی زباں تم جانتے ہو

ebooksgallery.com

اداسی کی بے معنویت پر ایک نظم

اداسی تیرا دل ہوتی
تو پھر میں اس میں گھر کرتا
کوئی دن یوں بسر کرتا

اداسی تیرے لب ہوتی
تو بڑھ کر چوم لیتا میں
اور ان کو اپنی تلخی کی خبر کرتا
کوئی دن یوں بسر کرتا

اداسی آسماں ہوتی
تو میں تیری طرح اس پر نظر کرتا
کوئی دن یوں بسر کرتا

اداسی ریت ہوتی تو
میں سورج کی طرح اس پر سفر کرتا
کوئی دن یوں بسر کرتا

اداسی شامِ غم ہوتی
تو میں بھی تیرے ہونٹوں سے ادا ہو کر
درختوں میں سفر کرتا
یہی کچھ عمر بھر کرتا

ebooksgallery.com

محبت کا مرض تو اس نے لاحق کر دیا ہم کو
مگر حسبِ ضرورت مبتلا ہونے نہیں دیتا

برگد سے دشمنی کا موسم

تو یوں ہے کہانی مری
میں اکیلا رہا دل کے ہوتے ہوئے
میرا دل جیسے برگد کے نیچے کسی سلطنت کا
تہی تخت شہزادۂ بے یقیں ہو
نہ سر پر فلک
اور نہ پاؤں کے نیچے کھسکتی زمیں ہو
اور اس پر ستم یہ زمانہ لہو سے بھری آستیں ہو
تو ایسے میں برگد سے پیوند ہوتی ہوئی ہڈیوں کی طرح
میں نے سوچا بہت ....
سال و سن مجھ پہ مٹی کی صورت گرے
اور اب گلبدن یہ کہانی مجھے
حرف و معنی میں دیواری لگ رہی ہے
مگر یہ ابھی طے نہیں ہے

ebooksgallery.com

کہ تم حرف ہو اور معنی مرا خواب ہے
کہاں ہو...... مرے گلبدن تم کہاں ہو
تمہاری محبت میں برگد کو چھوڑ آیا ہوں
تم کہاں ہو...... مرے پاس آؤ
کہ میں نے زرہ خواب کی پہن لی
ایک لمحے کے اندر کئی مورچہ بند لمحوں سے
میری تھکن لڑ رہی ہے
مرے پاس آؤ
کہ ہم اپنے دشمن کو تنہائی کے خوف سے مار دیں
میں نے تنہائی کا تجزیہ کر لیا ہے
میں تنہا رہا ہوں
زمانے کے برگد کے نیچے
مگر گلبدن تم نہیں جانتے
جو اکیلا رہا وہ خدا بن گیا
اور میں تو فقط ''لا'' کے قدموں تلے پس رہا ہوں
مجھے یاد ہے ایک میں تھا
مرے دل میں عورت بھی تھی

اور بوئے گنہ بھی مری پوٹلی میں بندھی تھی
مرا حرف کن
ایک بے دھار خنجر کے مانند میری ہی گردن پہ تھا
ایسی تنہائی تھی
آدمی بھی نہ تھا میں خدا بھی نہ تھا
اور پھر ایک دن
میری خواہش نے تتلی بنا کر اڑایا مجھے
کیوں اڑایا مجھے...... یہ ابھی گلبدن تم نہیں جانتے
تم نہیں جانتے
کیوں مرا خون قالین کی طرح مٹی پہ ڈالا گیا
کیوں سیاہی سے میرے بدن پر مرے جرم لکھے گئے
کیوں کسی مورچہ بند لمحے کے پیکر سے لمحے نکلتے رہے
تم نہیں جانتے
کیوں مرے خواب اونٹوں کے ہونٹوں کی صورت
لٹکتے رہے اور گرے تک نہیں
اس میں کچھ شک نہیں...... تم نہیں جانتے
تم مرے پاس آؤ

ebooksgallery.com

کہ میں اب خدا بھی نہیں آدمی بھی نہیں
میں تمہاری محبت میں برگد کو چھوڑ آیا ہوں
میں نے تنہائی کا تجزیہ کرلیا ہے
مرے پاس آؤ
کہ ہم اپنے دشمن کو تنہائی کے خوف سے مار دیں

محبت فقط لفظ ہے

کیا تجھے یاد ہے
تو نے مجھ سے کہا تھا
محبت فقط لفظ ہے اس کے معنی نہیں

کیا تجھے یاد ہے
میں کہ تیرے لیے کچھ نہ تھا
اب بھی تیرے لیے کچھ نہیں ہوں
مگر ایک بوسیدہ اجرک (جسے ہم زمیں جانتے ہیں) پہ
کھلتی ہوئی شام سی
چاندنی روتے مہتاب کی چاندنی اور بس!

ہاں مجھے یاد ہے
تو نے جس شخص کے خواب دیکھے سنائے مجھے

ebooksgallery.com

میں کہ تیرے لیے ''راجہ گدھ'' بھی نہ تھا
پھر بھی اچھے لگے
تیرے دیکھے ہوئے خواب اچھے لگے
''اس'' کی باتیں ترے ساتھ کرتے رہے
دن گزرتے رہے
''اس'' کی باتیں ترے بعد بھی خود سے کیں
لیکن اس بات کو مدتیں ہو گئیں

یہ تری کوکھ اور آنکھ خالی ہے کیوں؟
تو نے سوچا کبھی؟
تو نے مجھ سے کہا تھا
محبت فقط لفظ ہے اس کے معنی نہیں
سو محبت کا نقطہ تری شاخِ جاں پر نہیں کھل سکا
اور محبت کا معنی تھا ''بیٹا''
جو تجھ کو کہیں سے نہیں مل سکا

کھوئی ہوئی نظم کی یاد میں

کبھی بچپن میں
بھیگی ریت سے میں نے
بنایا تھا گھروندا اور پہلی نظم لکھی تھی
سنانا چاہتا تھا میں تمہیں شاید......
مگر شاید......

اب آئے ہو
کہ جب وہ نظم اور شاعر......
جہاں بھی ہوں
کسی کو مل نہیں سکتے
گزرتا وقت' پانی اور نظمیں ایک ہی منزل کو
جاتے ہیں
ملاؤ تم ہتھیلی سے ہتھیلی

ebooksgallery.com

اور دعا مانگیں

خداوندا! بہت دن ہو گئے

صحرائے دنیا پر کوئی بارش نہیں اتری

کئی گم گشتہ بچپن ریت سے

اپنا تعلق توڑ بیٹھے ہیں

نہ کوئی نظم ہوتی ہے

نہ پانی اور نظمیں وقت کے دھارے میں بہتے ہیں

یہ بچپن۔ کتنے برسوں بعد آیا ہے

اگر بارش بھی آ جائے

میں بھیگی ریت پر اک نظم لکھوں

جو کہ تم ہو

اور میں بھی ہوں

قمر بشیر کا نوحہ

میں پاک ٹی ہاؤس لاہور میں بیٹھا تھا جب عزیز دوست اور خوبصورت شاعر قمر بشیر کی حادثاتی موت کی خبر ملی۔ عدنان بیگ اور میں اس کا انتظار کرتے رہے کہ شاید وہ زندہ ہو اور کہیں سے آ جائے۔ اس کے انتظار میں ظاہر ہونے والی بے یقینی سے یہ نظم شروع ہوئی۔ جو اس کے لوٹ آنے کی امید پر ختم ہوتی ہے چونکہ عدنان سے گفتگو نظم کا رخ اختیار کر گئی تھی اس لیے میں نے یہاں مکالمے کا انداز برقرار رکھا ہے۔

زندگی میں بھی وہ موت کی طرح بے باک تھا

جب مری بات اچھی نہ لگتی اسے

مجھ سے کہتا ''مرے سامنے جھوٹ بولو نہیں''

یار عدنان! وہ کس طرح مر گیا

حادثے کی خبر اہلِ کنعان ہی لے کے آئے نہ ہوں

کس طرح مان لوں

ebooksgallery.com

جس کو شاخوں پہ رہنا گوارا نہ تھا
ریل کی بانجھ پٹڑی پہ وہ کھل اٹھا
کس طرح مان لوں
یارعدنان! وہ کس طرح مر گیا
تازہ اخبار میں اس کی تصویر کے ساتھ جھوٹی خبر
کہیں سچی نہ ہو
یوں نہ ہو وہ کہیں بیٹھا تازہ غزل کہہ رہا ہو
ہمارے لیے کھانے پینے کا سامان لینے گیا ہو
وہ آئے تو قہوہ بنائے
ہمیں جرعہ جرعہ پلائے
لطیفے سنائے ہمیں بھی ہنسائے
اگر وہ کہیں رو رہا ہے تو آ کر ہمیں بھی رلائے
اس کی شب گاہ میں
رتجگے، سسکیاں اور کچھ بھی نہیں
اس کے ٹیبل پہ رکھی کتابیں اسے یاد کرنے میں مصروف ہیں
ان سلے کپڑے درزی کی دکان پر منتظر ہی رہے
اور وہ آیا نہیں!
یارعدنان وہ کس طرح مر گیا

جھو یوں لل رہا ہے
ابھی وہ کہیں سے نمودار ہوگا
اٹھائے گا بانہیں لگائے گا نعرہ کہ میں آ گیا
اپنے مرنے کی سچی خبر سن کے بولے گا
میں تم سے کتنی دفعہ کہہ چکا ہوں
مرے سامنے جھوٹ بولو نہیں

ebooksgallery.com

شجر سے اترتی ہوئی ایک نظم

مجھے اک نظم لکھنی ہے
طلوعِ شام سے پہلے
نگر سے دور جنگل کی اداسی پر
ہوا کی بے لباسی پر
ہمکتے مور کے قدموں میں بکھرے آنسوؤں پر
نظم لکھنی ہے
مجھے مصرعہ بنانا ہے
کہ جیسے ڈار کونجوں کی فلک کے خالی کاغذ پر
کہ جیسے اشک بستہ ساعتیں
آنکھوں سے صف باندھے نکلتی ہیں
طلوعِ شام سے پہلے

بدن دیمک زدہ لاٹھی
سماعت ملتجی آواز کے در پر
کہاں مہتاب کی زردی نیا کینوس بناتی ہے
سرشکِ خوں کا خامہ بھی تہی خط ہے
کہاں سے زاویہ کھینچوں
کہاں زنجیرِ بستہ در میں مصرعے قید ہوتے ہیں
کوئی حلقہ نہیں ملتا
تماشا سطرِ خستہ کا لہو میں گونج اٹھا ہے
سن اے آوازِ بے مسکن
طلوعِ خواب سے پہلے
مجھے اک نظم لکھنی ہے
کبھی بدلی تجل الفاظ کی کشمش کرائے گی
مرا خامہ کوئی نوزائیدہ بچہ ہے چڑیا کا
عجب بے رزق موسم ہے
اسے چوگا نہیں ملتا
مرے الفاظ بے موسم پرندوں کی طرح شاخوں پہ بیٹھے ہیں
نہ وہ منقار زیرِ پر
نہ گیتوں سے بھری چونچیں مرے دل میں چبھوتے ہیں

ebooksgallery.com

سوادِ شب بھی حسرت ہے
مرے اظہار کی حسرت!
سرِ مہتاب بدلی میں مرے مصرعے چمکتے ہیں
مگر میری حدِ تحریر سے باہر
نہ جانے کون نادیدہ فرشتوں کے پروں پر نظم لکھتا ہے
سن اے آوازِ بے مسکن
مجھے الفاظ سے بھر دے
مجھے اک نظم لکھنی ہے
تجل لفظوں کی کشمش سے
سوادِ شب کی کڑواہٹ پہ میٹھی نظم لکھنی ہے
طلوعِ خواب سے پہلے
چلو نینا
شجر کے پاس جا کر تالیاں پیٹیں
پرندے جب اڑیں گے تو زمیں پر نظم اترے گی

وہ ہنستی ہے تو اس کے ہاتھ روتے ہیں

کسی کے بعد
اپنے ہاتھوں کی بدصورتی میں کھو گئی ہے وہ
مجھے کہتی ہے ''تابش! تم نے دیکھا میرے ہاتھوں کو
برے ہیں ناں؟
اگر یہ خوبصورت تھے تو ان میں کوئی بوسہ کیوں نہیں ٹھہرا''
عجب لڑکی ہے
پورے جسم سے کٹ کر فقط ہاتھوں میں زندہ ہے
صراحی دار گردن، نرم ہونٹوں، تیز نظروں سے وہ بدظن ہے
کہ ان اپنوں نے ہی اس کو سرِ بازار پھینکا تھا
کبھی آنکھوں میں ڈوبی
اور کبھی بستر پہ سلوٹ کی طرح ابھری
عجب لڑکی ہے
خود کو ڈھونڈتی ہے
اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں
جہاں وہ تھی نہ ہے، آئندہ بھی شاید نہیں ہو گی

ebooksgallery.com

وہ جب انگلی گھما کر
فیض کی نظمیں سناتی ہے
تو اس کے ہاتھ سے پورے بدن کا دکھ جھلکتا ہے
وہ ہنستی ہے تو اس کے ہاتھ روتے ہیں
عجب لڑکی ہے
پورے جسم سے کٹ کر فقط ہاتھوں میں زندہ ہے
مجھے کہتی ہے ''تابش! تم نے دیکھا میرے ہاتھوں کو
برے ہیں ناں؟''
میں شاید گر چکا ہوں اپنی نظروں سے
میں چھپنا چاہتا ہوں اس کے تھیلے میں
جہاں سگریٹ ہیں، ماچس ہے
جو اس کا حال، ماضی اور مستقبل!

عجب لڑکی ہے
آئے تو خوشی کی طرح آتی ہے
اسے مجھ سے محبت ہے
کہ شاید مجھ میں بھی بدصورتی ہے اس کے ہاتھوں کی!

نارسائی کے ساحلوں پر مکاشفہ

سمندر کو معلوم ہے میں بھی ہمراہ اس کے تجسس بھری کشتیوں کی طرح اپنے موہوم کی سرزمینوں کی جانب گیا تھا۔ طلسمی جزیرے جزیروں سے اٹھتا دھواں اور دھویں میں نہاں اک جہاں، اس جہاں میں کہیں، محلوں کے دریچوں میں بیٹھی حسینائیں۔ لیکن سمندر مرے ساتھ جا کر بھی مجھ سے رہا۔ اس کو اپنے جزیروں کی شاید خبر ہی نہیں تھی۔ میں پانی تھا میری جڑیں میرے اندر رہیں پانیوں کا سفر کیا؟ تجسس ہی آغاز ہے اور تجسس ہی انجام ہے۔
اس کے بعد ایک برگد بھری شام ہے

آج کیوں سوچتا ہوں کہ میں بوڑھا برگد نہیں ورنہ بستی سے باہر تھکے ہارے لوگوں کی رہ دیکھتا، میری چھاؤں میں دو دل محبت کا پیمان کرتے وہ کہتا ''تمہارے لیے ہے یہ نٹ کھٹ جوانی'' وہ کہتی مجھے جانے دے ''میری گاگر کی رہ دیکھتا ہوگا پنگھٹ کا پانی''، مسلسل ملاقاتیں اور ایک لمبی کہانی

ebooksgallery.com

آج کیوں سوچتا ہوں کہ میں میٹھے پانی کا چشمہ نہیں' گاؤں کے لوگ میری طرف اپنے کورے گھڑے لے کر آتے۔ مسافر محبت کے ارماں بڑے لے کے آتے۔ وہ کہتا کہ پہلے مجھے...... اس کے بعد آنسوؤں کی روانی...... مسلسل ملاقاتیں اور ایک لمبی کہانی۔

مجھے گاؤں کے لوگ ہی جانتے ہیں نہ میری شناسائی برگد بھری شام سے' شام ہے اور سورج کی گاگر سمندر سے بچہ کوئی بھر رہا ہے۔ یہاں میں بھی آیا ہوں اپنی کسی کام۔

مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا

ebooksgallery.com

دکھ سکھ کی ساتھی

سعدی

کے نام

پانی آنکھ میں بھر کر لایا جا سکتا ہے
اب بھی جلتا شہر بچایا جا سکتا ہے

ایک محبت اور وہ بھی ناکام محبت
لیکن اس سے کام چلایا جا سکتا ہے

دل پر پانی پینے آتی ہیں امیدیں
اس چشمے میں زہر ملایا جا سکتا ہے

مجھ گمنام سے پوچھتے ہیں فرہاد و مجنوں
عشق میں کتنا نام کمایا جا سکتا ہے

ebooksgallery.com

یہ مہتاب یہ رات کی پیشانی کا گھاؤ
ایسا زخم تو دل پر کھایا جا سکتا ہے

پھٹا پرانا خواب ہے میرا پھر بھی تابشؔ
اس میں اپنا آپ چھپایا جا سکتا ہے

○

آنکھ لگتے ہی مری نیند اڑانے لگ جائیں
خواب چڑیوں کی طرح شور مچانے لگ جائیں

ہم کہ گہرائی میں بستے ہیں سمندر کی طرح
جانے کس وقت تری سطح پہ آنے لگ جائیں

یہ بھی ممکن ہے کوئی روکنے والا ہی نہ ہو
یہ بھی ممکن ہے یہاں مجھ کو زمانے لگ جائیں

اسی امید پہ گزرے کئی موسم خالی
شاید اس بار شجر بور اٹھانے لگ جائیں

ebooksgallery.com

دیکھ اے حسنِ فراواں! یہ بہت ممکن ہے
میرا دل تک نہ لگے تیرے خزانے لگ جائیں

کارِ دنیا بھی عجب ہے کہ مرے گھر والے
دن نکلتے ہی مری خیر منانے لگ جائیں

○

دہکتے دن میں عجب لطف اٹھایا کرتا تھا
میں اپنے ہاتھ کا تتلی پہ سایہ کرتا تھا

اگر میں پوچھتا بادل کدھر کو جاتے ہیں
جواب میں کوئی آنسو بہایا کرتا تھا

یہ چاند ضعف سے جس کی زباں نہیں کھلتی
کبھی یہ چاند کہانی سنایا کرتا تھا

میں اپنی ٹوٹتی آواز گانٹھنے کے لیے
کہیں سے لفظ کا پیوند لایا کرتا تھا

ebooksgallery.com

عجیب حسرتِ پرواز مجھ میں ہوتی تھی
میں کاپیوں میں پرندے بنایا کرتا تھا

تلاشِ رزق میں بھٹکے ہوئے پرندوں کو
میں جیب خرچ سے دانہ کھلایا کرتا تھا

ہمارے گھر کے قریب ایک جھیل ہوتی تھی
اور اس میں شام کو سورج نہایا کرتا تھا

یہ زندگی تو مجھے تیرے پاس لے آئی
یہ راستہ تو کہیں اور جایا کرتا تھا

○

عشق کی جوت جگانے میں بڑی دیر لگی
سائے سے دھوپ بنانے میں بڑی دیر لگی

میں ہوں اس شہر میں تاخیر سے آیا ہوا شخص
مجھ کو اک اور زمانے میں بڑی دیر لگی

یہ جو مجھ پہ کسی اپنے کا گماں ہوتا ہے
مجھ کو ایسا نظر آنے میں بڑی دیر لگی

اک صدا آئی جھروکے سے کہ تم کیسے ہو
پھر مجھے لوٹ کے جانے میں بڑی دیر لگی

ebooksgallery.com

بولتا ہوں تو مرے ہونٹ جھلس جاتے ہیں
اس کو یہ بات بتانے میں بڑی دیر لگی

میرے عرصے میں کوئی سہل نہ تھا کارِ سخن
ایک دو شعر کمانے میں بڑی دیر لگی

میں سرِ خاک کوئی پیڑ نہیں تھا تابش
اس لیے پاؤں جمانے میں بڑی دیر لگی

○

اشک نکلے ہیں تعاقب کا بہانہ کر کے
کوئی گھر میں نہ رہا اس کو روانہ کر کے

ورنہ ہم لوگ کہاں عشق میں برباد ہوئے
اپنی عزت تو ہے مجنوں کا گھرانہ کر کے

کتنے مجبور ہیں ہم لوگ انا کے ہاتھوں
عشق کرتے ہیں کوئی اور بہانہ کر کے

تو نہیں جانتا غالبؔ کے طرفداروں کو
جا تجھے چھوڑ دیا ہم نے یگانہؔ کر کے

ebooksgallery.com

○

لفظوں سے چھاؤں وضع کی سطروں کو سائباں کیا
جیسے بھی ہو سکا بسر وقتِ زوالِ جاں کیا

دل کو کسی کا سامنا کرنے کی تاب ہی نہ تھی
اچھا کیا کہ آنکھ نے آنسو کو درمیاں کیا

جتنا میں اپنے پاس تھا اتنا میں اپنے پاس ہوں
باقی کا اس سے پوچھئے اس نے مجھے کہاں کیا

جس پہ خفا ہوئے ہو تم' تم نے سمجھائی تھی وہ بات
میرا بس اتنا دوش ہے' میں نے اسے بیاں کیا

○

جب انتظار کے لمحے پگھلنے لگتے ہیں
گلی کے لوگ مرے دل پہ چلنے لگتے ہیں

میں اس لیے بھی پرندوں سے دور بھاگتا ہوں
کہ ان میں رہ کے مرے پر نکلنے لگتے ہیں

کبھی کبھی کسی بچے کی روح آتی ہے
کبھی کبھی مرے گھر گیند اچھلنے لگتے ہیں

عجیب پیڑ ہیں ان کو حیا نہیں آتی
ہمارے سامنے کپڑے بدلنے لگتے ہیں

ebooksgallery.com

وہ ہاتھ ہاتھ میں آنے کی دیر ہوتی ہے
ستارے اور کسی رخ پہ چلنے لگتے ہیں

جب آسمان پہ تابش دھنک ابھرتی ہے
ہم اپنے ساتھ چھتوں پر ٹہلنے لگتے ہیں

○

جہانِ مرگِ صدا میں اک اور سلسلہ ختم ہو گیا ہے
کلام یعنی خدا کا ہم سے مکالمہ ختم ہو گیا ہے

ہمیں تو بس یہ پتہ چلا تھا کہ اونٹوں والے چلے گئے ہیں
کسی کو اس کی خبر نہیں جو معاملہ ختم ہو گیا ہے

نہ تتلیوں جیسی دوپہر ہے نہ اب وہ سورج گلاب جیسا
جسے محبت کہا گیا وہ مغالطہ ختم ہو گیا ہے

تمہاری باتوں کے جن پہ شہتوت جھڑ رہے ہوں وہی بتائیں
کہ تلخ آباد میں ہمارا تو ذائقہ ختم ہو گیا ہے

ebooksgallery.com

ہماری آنکھوں سے خواب وخس کے تمام پشتے ہٹائے جائیں
ہمارا ناراض پانیوں سے معاہدہ ختم ہو گیا ہے

اب اس لیے بھی ہمیں محبت کو طول دینا پڑے گا تابش
کسی نے پوچھا تو کیا کہیں گے کہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے

○

شاخ پر پھول' فلک پر کوئی تارا بھی نہیں
میں بھی تنہا ہوں بہت کوئی تمہارا بھی نہیں

ایک تو مڑ کے نہ جانے کی اذیت تھی بہت
اور اس پر یہ ستم کوئی پکارا بھی نہیں

کہہ رہا تھا کہ محبت میں تکلم کیسا
میں جو چونکا تو کہا اذن اشارا بھی نہیں

عمرِ مابعد اگر تیرے علاوہ کچھ ہے
پھر تو میں اب بھی نہیں اور دوبارا بھی نہیں

ebooksgallery.com

○

اک پرندے نے مجھے اب یہ نصیحت کی ہے
لوٹ کر آیا نہیں جس نے بھی ہجرت کی ہے

ایک بے کار تمنا کو لگا کے دل پر
ہم نے ٹوٹے ہوئے حجرے کی مرمت کی ہے

عہد فرصت تھا ہمیں موت کے وقفے کی طرح
ہم نے اس میں بھی محبت ہی محبت کی ہے

چھوٹی اینٹوں سے بنایا ہوا یہ حجرۂ دل
گزرے وقتوں میں یہاں کس نے سکونت کی ہے

قیس و فرہاد کو لے بیٹھی ہے دنیا تابش
یہ نہیں سوچتی ہم نے بھی محبت کی ہے

○

میں ذرہ ہوں کہ نا ذرہ بہت ہوں
ابھی اپنے لیے اتنا بہت ہوں

بتاتے ہیں مجھے میرے بہی خواہ
جہاں ہوتا نہیں، ہوتا بہت ہوں

مرا بھی مسئلہ ہے لفظ جیسا
بظاہر کم ہوں، در پردہ بہت ہوں

یہاں جو ہیں نہیں ہیں اس قدر بھی
غنیمت ہے کہ میں تھوڑا بہت ہوں

ebooksgallery.com

ترے ہوتے تو اندازہ نہ ہوگا
میں کتنا کم ہوں اور کتنا بہت ہوں

بھرم بھی رکھ مرا ربِ فضیلت
بنا بھی دے اگر بنتا بہت ہوں

○

اگر یہاں کوئی چشمہ کبھو نکلتا ہے
بجائے آبِ زمیں سے لہو نکلتا ہے

ترا خیال کہ کم کم نمود ہے جس کی
اگر نکلنے لگے چار سو نکلتا ہے

کھلا ہوا ہے درِ خواب خس کدے کی طرف
اور اس سے روز کوئی شعلہ رُو نکلتا ہے

ترے سوا تو مری ذات میں نہ تھا کوئی
یہ کون ہے جو دمِ گفتگو نکلتا ہے

ebooksgallery.com

○

اے دوست دعا اور مسافت کو بہم رکھ
یہ میری ہتھیلی ہے یہاں پہلا قدم رکھ

ایسے تو زمانہ مجھے جینے نہیں دے گا
میں کچھ بھی نہیں تیرا مگر میرا بھرم رکھ

اس بات پہ دنیا سے مری بنتی نہیں ہے
کہتی ہے کہ تلوار اٹھا اور قلم رکھ

میں جب بھی کہیں راہ میں گرنے لگا تابش
آواز سی آئی مرے قدموں پہ قدم رکھ

○

ہم جو آس پاس اس کے یوں ہی پھرتے رہتے ہیں
بات گو نہیں کرتے بات کر تو سکتے ہیں

بے سخن ملاقاتیں خوشبوؤں کے جھونکے ہیں
عشق کرنے والوں کے جسم تک مہکتے ہیں

شہرِ بے محبت میں اور اپنا مصرف کیا
اُس سے مل کے آتے ہی اُس سے ملنے جاتے ہیں

کوئی تو ملے گا جو اس کو جانتا ہو گا
اس سے پوچھ لیتے ہیں اُس سے پوچھ لیتے ہیں

ebooksgallery.com

یہ عجیب بستی ہے عشق سوچ کر کرنا
چھوٹی چھوٹی باتوں کو لوگ یاد رکھتے ہیں

اب تو میں سرہانے بھی اس کے خط نہیں رکھتا
جب بھی نیند آتی ہے لفظ رونے لگتے ہیں

گر یقیں نہیں آتا عشق کر کے دیکھو تم
زخم جو نہیں لگتے کتنے گہرے ہوتے ہیں

اور کیسی آزادی ہم کو چاہیے تابش
ہم تو ہنس بھی سکتے ہیں ہم تو رو بھی سکتے ہیں

○

پسِ غبار مدد مانگتے ہیں پانی سے
یہ لوگ تنگ ہیں مٹی کی حکمرانی سے

یہ ہاتھ سوکھ کے جھڑنے کو ہو گئے لیکن
میں دست کش نہ ہوا تیری مہربانی سے

پھر اس کے بعد پھلوں میں مٹھاس آئی نہیں
شجر نے کام لیا تھا غلط بیانی سے

کسی جزیرے پہ شاید کھلا ہے باغ کوئی
مہک گلاب کی آتی ہے بہتے پانی سے

ebooksgallery.com

میں تیرے وصل کا لمحہ بچا سکوں شاید
مرا تعلقِ خاطر ہے رائیگانی سے

نواحِ شہر میں پھیلی ہے موت کی خوشبو
مگر یہ لوگ کہ لگتے ہیں جاودانی سے

ترے وصال کے موسم میں استوار ہوا
کوئی عجب سا تعلق جہانِ فانی سے

تو مل گیا ہے تو اچھا ہوا وگرنہ دوست
کسے غرض تھی محبت میں کامرانی سے

پہنچ چکے ہیں محبت میں اُس جگہ ہم لوگ
جہاں یقیں نہیں آتا یقیں دہانی سے

○

حسابِ بیش و کم کرنے کو ہوں تیار بسم اللہ
توقف کس لیے ہے اے نگاہِ یار بسم اللہ

ہمارے جسموں کو ویسے بھی رزقِ خاک ہونا ہے
اگر گرنے سے اٹھتی ہے کوئی دیوار بسم اللہ

تجھے کب منع کرتی ہے مری چھیدوں بھری جھولی
برس چھاجوں برس رنگِ جمالِ یار بسم اللہ

ہماری عمر میں جھوٹی تسلی مار دیتی ہے
اگر انکار کرنا ہے تو کر انکار بسم اللہ

ebooksgallery.com

○

حرف و بیان و خواب و خبر خیریت سے ہیں
پسماندگانِ اہلِ ہنر خیریت سے ہیں

پوچھے تو کہنا اہلِ محبت کا کچھ نہ پوچھ
پوچھے تو کہنا زید بکر خیریت سے ہیں

آسودگانِ رنج ہیں ہم کو خوشی سے کیا
تُو خیریت نہ جان اگر خیریت سے ہیں

کیا طرفہ لوگ ہیں یہ ترے قیس و کوہکن
حالت کوئی نہیں ہے مگر خیریت سے ہیں

○

دل بستگیٔ شوق کے سامان بندھے ہیں
گھر میں کہیں پنجرے کہیں گلدان بندھے ہیں

یہ اپنی محبت تو دکھاوے کے لیے ہے
ہم تم تو کہیں اور مری جان بندھے ہیں

اس عشق سے پہلے بھی کوئی اور نہیں تھا
ہم تجھ سے ترے ہجر کے دوران بندھے ہیں

تم کاٹ نہ دینا اسے بے کار سمجھ کر
اس پیڑ کے نیچے کئی پیمان بندھے ہیں

ebooksgallery.com

یہ ہم جو کسی طور نہیں کھلتے کسی پر
تجھ ہاتھ کی خاطر بہت آسان بندھے ہیں

خوشبو کے پرندوں کو رہائی نہ ملے گی
اب گل کی جگہ شاخ پہ زندان بندھے ہیں

عالم تھے کئی اور بھی مٹی کے علاوہ
کیا اس میں کشش تھی کہ یہاں آن بندھے

اس شہر کو معلوم ہے پرچم کی روایت
اس شہر میں نیزوں پہ گریبان بندھے ہیں

○

چاند کو تالاب مجھ کو خواب واپس کر دیا
دن ڈھلے سورج نے سب اسباب واپس کر دیا

اس طرح بچھڑا کہ اگلی رونقیں پھر آ گئیں
اس نے میرا حلقۂ احباب واپس کر دیا

پھر بھٹکتا پھر رہا ہے کوئی برجِ دل کے پاس
کس کو اے چشمِ ستارہ یاب واپس کر دیا

میں نے آنکھوں کے کنارے بھی نہ تر ہونے دیے
جس طرف سے آیا تھا سیلاب واپس کر دیا

ebooksgallery.com

جانے کس دیوار سے ٹکرا کے لوٹ آیا ہے گیند
جانے کس دیوار نے مہتاب واپس کر دیا

پھر تو اس کی یاد بھی رکھی نہ میں نے اپنے پاس
جب کیا واپس تو کل اسباب واپس کر دیا

التجائیں کر کے مانگی تھی محبت کی کسک
بے دلی نے یہ غمِ نایاب واپس کر دیا

○

عجیب طور کی ہے اب کے سرگرانی مری
میں تجھ کو یاد بھی کر لوں تو مہربانی مری

میں اپنے آپ میں گہرا اتر گیا شاید
مرے سفر سے الگ ہو گئی روانی مری

بس ایک موڑ مری زندگی میں آیا تھا
پھر اس کے بعد الجھتی گئی کہانی میری

تباہ ہو کے بھی رہتا ہے دل کو دھڑکا سا
کہ رائیگاں نہ چلی جائے رائیگانی مری

میں اپنے بعد بہت یاد آیا کرتا ہوں
تم اپنے پاس نہ رکھنا کوئی نشانی مری

ebooksgallery.com

○

ہوائے موسمِ گل سے لہو لہو تم تھے
کھلے تھے پھول مگر ان میں سرخرو تم تھے

ذرا سی دیر کو موسم کا ذکر آیا تھا
پھر اس کے بعد تو موضوعِ گفتگو تم تھے

اور اب کہ جب کوئی صورت نہیں تلافی کی
میں تم سے کیسے کہوں میری آرزو تم تھے

کہانیوں میں تو یہ کام اژدھے کا تھا
مری جب آنکھ کھلی میرے چار سو تم تھے

○

تیرے لیے سب چھوڑ کے تیرا نہ رہا میں
دنیا بھی گئی عشق میں تجھ سے بھی گیا میں

اک سوچ میں گم ہوں تری دیوار سے لگ کر
منزل پہ پہنچ کر بھی ٹھکانے نہ لگا میں

ورنہ کوئی کب گالیاں دیتا ہے کسی کو
یہ اس کا کرم ہے کہ تجھے یاد رہا میں

میں تیز ہوا میں بھی بگولے کی طرح تھا
آیا تھا مجھے طیش مگر جھوم اٹھا میں

ebooksgallery.com

اس درجہ مجھے کھوکھلا کر رکھا تھا غم نے
لگتا تھا گیا اب کے گیا اب کے گیا میں

یہ دیکھ مرا ہاتھ مرے خون سے تر ہے
خوش ہو کہ ترا مدِ مقابل نہ رہا میں

اک دھوکے میں دنیا نے مری رائے طلب کی
کہتے تھے کہ پتھر ہوں مگر بول پڑا میں

اب طیش میں آتے ہی پکڑ لیتا ہوں پاؤں
اس عشق سے پہلے کبھی ایسا تو نہ تھا میں

○

ٹوٹ جانے میں کھلونوں کی طرح ہوتا ہے
آدمی عشق میں بچوں کی طرح ہوتا ہے

اس لیے مجھ کو پسند آتا ہے صحرا کا سکوت
اس کا نشہ تری باتوں کی طرح ہوتا ہے

ہم جسے عشق میں دیتے ہیں خدا کا منصب
پہلے پہلے ہمیں لوگوں کی طرح ہوتا ہے

جس سے بنتا ہو تعلق وہی ظالم پہلے
غیر ہوتا ہے نہ اپنوں کی طرح ہوتا ہے

ebooksgallery.com

چاندنی رات میں سڑکوں پہ قدم مت رکھنا
شہر جاگے ہوئے ناگوں کی طرح ہوتا ہے

بس یہی دیکھنے کو جاگتے ہیں شہر کے لوگ
آسماں کب تری آنکھوں کی طرح ہوتا ہے

اس سے کہنا کہ وہ ساون میں نہ گھر سے نکلے
حافظ عشق کا سانپوں کی طرح ہوتا ہے

اس کی آنکھوں میں امڈ آتے ہیں آنسو تابش
وہ جدا چاہنے والوں کی طرح ہوتا ہے

تین شعر

کسی برتن کی طرح توڑ دیا ہے اس نے
اپنے ہاتھوں سے مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے

اس کی حسرت میں نکل آیا ہوں اپنی جانب
رائیگانی کو عجب موڑ دیا ہے اس نے

میں نے چاہا تھا محبت کی فضا میں رہنا
مجھ کو پنجرے میں کھلا چھوڑ دیا ہے اس نے

ebooksgallery.com

چلنا بیکار گیا وقت کی رفتار کے ساتھ
غم کا سورج نہ ڈھلا سایہ دیوار کے ساتھ

حالت جنگ میں آداب خور و نوش کہاں
اب تو لقمہ بھی اٹھاتا ہوں میں تلوار کے ساتھ

ناشنایان سخن! اب تو معافی دے دو
اب تو غالب کا تعلق نہیں دربار کے ساتھ

نہ تجھ سے ہے نہ گلہ آسمان سے ہو گا
تری جدائی کا جھگڑا جہان سے ہو گا

تمہارے میرے تعلق کا لوگ پوچھتے ہیں
کہ جیسے فیصلہ میرے بیان سے ہو گا

اگر یونہی مجھے رکھا گیا اکیلے میں
برآمد اور کوئی اس مکان سے ہو گا

جدائی طے تھی مگر یہ کبھی نہ سوچا تھا
کہ تو جدا بھی جداگانہ شان سے ہو گا

گزر رہے ہیں مرے دن اسی تفاخر میں
کہ اگلا قیس مرے خاندان سے ہو گا

ebooksgallery.com

○

کیسے برباد ہوا کیسے بتاؤں اس کو
عشق احسان نہیں ہے کہ جتاؤں اس کو

اس کو اس گھر سے گئے مدتیں گزریں لیکن
اب بھی دروازے تلک چھوڑنے جاؤں اس کو

یہ بھی ممکن ہے رہوں آنکھ میں آنسو کی طرح
یہ بھی ممکن ہے کبھی یاد نہ آؤں اس کو

وہ تو موجود ہے موجود رہے گا تابش
میں کوئی دیر کو ہوں یہ تو بتاؤں اس کو

○

دکھوں کا دشت آنکھوں کا سمندر چھوڑ آیا ہوں
جو گھر میں لا نہ سکتا تھا وہ باہر چھوڑ آیا ہوں

تم اگلی بارشوں کے بعد جا کر دیکھنا پیارے
تمہارا نام دیواروں پہ لکھ کر چھوڑ آیا ہوں

محبت کی ہے اس گھر میں رہائش تو نہیں کی ہے
ابھی تو صرف دروازے پہ بستر چھوڑ آیا ہوں

تری بانہوں میں آ کر بھی یہی محسوس ہوتا ہے
کہ خود کو وقت کے رحم و کرم پر چھوڑ آیا ہوں

ebooksgallery.com

ابھی کچھ دیر میں پھیلے گی خوشبو ساری بستی میں
وہاں کے اک دریچے میں گلِ تر چھوڑ آیا ہوں

خدانا خواستہ میں بھی اگر بن باس لوں تابش
وہاں کس کو بتاؤں گا بھرا گھر چھوڑ آیا ہوں

○

ہم نے کہا نہیں تھا میاں پیار مت کرو
اب جو ہوا ہے اس کا تو اظہار مت کرو

حلقہ نشین کر نہیں سکتے اگر اسے
دیکھو! کسی کو اپنا گرفتار مت کرو

ایسا نہ ہو تمہیں بھی لہو تھوکنا پڑے
تم کم سخن ہو عشق کا اظہار مت کرو

ہم مانتے ہیں ہم نے چھوا تک نہیں تمہیں
کہہ کہہ کے ہم کو اور گنہ گار مت کرو

ebooksgallery.com

میں نے سفید دھوپ میں رہ کر نہیں کیے
وہ مانتا نہیں ہے تو اصرار مت کرو

مانو خدا کو اور بڑھا لو دکانِ دل
مجھ بے وفا کے واسطے ایثار مت کرو

پھر تم کو بے وفائی بھی کرنے نہ دیں گے ہم
دیکھو! ہمارے ذہن کو تیار مت کرو

○

خمارِ خانۂ وحشت سے میں نہیں آیا
پلٹ کے اس درِ دولت سے میں نہیں آیا

بہت عزیز ہے مجھ کو یہ صحبتِ یاراں
میں جانتا ہوں کہ فرصت سے میں نہیں آیا

تمہارے دل سے نکل کر تمہارے سامنے ہوں
کسی طویل مسافت سے میں نہیں آیا

نہ جانے تجھ کو مری کیا ادا پسند آئی
تجھے تو پیش بھی عزت سے میں نہیں آیا

ebooksgallery.com

○

صبح کی پہلی کرن پہلی نظر سے پہلے
ہم کو ہونا ہے کہیں اور سحر سے پہلے

چاند نے دیکھ لیا ہم کو کنارِ دریا
بھاگ چلتے ہیں کسی اور خبر سے پہلے

لو لگانے سے گئی دربدری کی ذلت
خود کو پہنچا ہوا لگتا ہوں سفر سے پہلے

کیوں نہ دنیا کو دکھاؤں میں جلے ہاتھ کا زخم
کچھ چراغوں سے تعلق تھا ادھر سے پہلے

کلاہ دار مجھے کیوں نہ گھور کر دیکھیں
یہاں کسی کی اجازت سے میں نہیں آیا

یہ کوئی اور بگولا سا پھر رہا ہے یہاں
نکل کے عرصۂ وحشت سے میں نہیں آیا

ebooksgallery.com

اک ہتھیلی ہے مری ایک ہتھیلی اس کی
سب دعائیں ہیں اثر یاب، اثر سے پہلے

شام کے بعد اندھیرا نہیں رہتا گھر میں
ایک سورج نکل آتا ہے سحر سے پہلے

تب مری آنکھ کھلا کرتی تھی اندر کی طرف
میں نے دیکھا ہے اسے پہلی نظر سے پہلے

تو فقط سینہ و دل ہے نہ فقط عارض و لب
سخن آغاز کرے کوئی کدھر سے پہلے

○

اب وہ صورت ہے نہ وہ عکس گری ہے مجھ میں
خشک دریا کی طرح ریت بھری ہے مجھ میں

اب تو جاگ اے غمِ جاناں کہ ہے سورج سر پہ
تو نے اے یار بہت نیند کری ہے مجھ میں

چاند سے میرا تعلق کسی دریا کا نہیں
اُس گلِ زرد کی پرچھائیں ہری ہے مجھ میں

بادباں اور کوئی دیر نہ کھولے جائیں
لنگر انداز کوئی خوش خبری ہے مجھ میں

ebooksgallery.com

مجھ پہ کیوں صبح کا تارا نمک افشاں نہ رہے
ہمہ تن زخم ہوں میں نیند بھری ہے مجھ میں

دندناتے ہوئے سیارہ و افلاک پہ خاک
میں خجل ہوں کہ یہ کیا در بدری ہے مجھ میں

ایک دانے پہ رقم سورۂ امکاں سے کھلا
اس سے بھی کم پہ عجب نقش گری ہے مجھ میں

تو نہیں وہ تو کوئی اور ہے تجھ میں پنہاں
میں نہیں وہ تو کوئی اور جری ہے مجھ میں

میرے باہر کے اندھیروں میں بھٹکتے ہوئے شخص
تو نے کس کے لیے قندیل دھری ہے مجھ میں

○

غرق شہروں کی کہانی اور ہے
تیری میری رائیگانی اور ہے

جینے مرنے کے علاوہ بھی یہاں
ایک صورت درمیانی اور ہے

میرے گرنے کو زمانے چاہئیں
میری بنیادوں میں پانی اور ہے

گھر ٹپکتا دیکھ کر روتی ہے ماں
چھت تلے اک چھت پرانی اور ہے

ebooksgallery.com

اس کی یادوں نے تن آساں کر دیا
اس کی مجھ پر مہربانی اور ہے

کوئی آئے دل دھڑکتا ہی نہیں
یہ قیامت کی نشانی اور ہے

تم اسے اچھے دنوں میں دیکھنا
وقت کی اپنی روانی اور ہے

○

شعر لکھنے کا فائدہ کیا ہے
اس سے کہنے کو اب رہا کیا ہے

پہلے سے طے شدہ محبت میں
تو بتا تیرا مشورہ کیا ہے

سرخ کیوں ہو رہے ہیں تیرے کان
میں نے تجھ سے ابھی کہا کیا ہے

آنکھیں مل مل کے دیکھتا ہوں اسے
دوپہر میں یہ چاند سا کیا ہے

ebooksgallery.com

میرا ہم عصر صبح کا تارا
میرے بارے میں جانتا کیا ہے

سوچتے ہونٹ ، بولتی آنکھیں
حیرتی کا مکالمہ کیا ہے

شور سا اٹھ رہا ہے چار طرف
کچھ گرا ہے مگر گرا کیا ہے

میں یہاں سے پلٹنا چاہتا ہوں
اے خدا تیرا مشورہ کیا ہے

جسم کے اس طرف ہے گل آباد
پھاند دیوار ، دیکھتا کیا ہے

میری خود سے مفاہمت نہ ہوئی
تو بتا تیرا مسئلہ کیا ہے

اس لیے بولنے پہ ہوں مجبور
آپ سوچیں گے سوچتا کیا ہے

یہ بہت دیر میں ہوا معلوم
عشق کیا ہے مغالطہ کیا ہے

میں تو عادی ہوں خاک چھاننے کا
تم بتاؤ کہ ڈھونڈنا کیا ہے

عشق کر کے بھی کھل نہیں پایا
تیرا میرا معاملہ کیا ہے

میں بنا تھا کھنکتی مٹی سے
میرے اندر سکوت سا کیا ہے

ebooksgallery.com

○

سمجھ میں کوئی مثال آئے تو آنے دینا
کہیں سے اس کا خیال آئے تو آنے دینا

یہی تو دن ہیں کسی مسلسل مکالمے کے
کہیں سے چبھتا سوال آئے تو آنے دینا

یہ دیکھنا کوئی بات ہونے سے رہ نہ جائے
اگر ہمیں اشتعال آئے تو آنے دینا

بچھڑنے والے! ترے لیے ایک مشورہ ہے
کبھی ہمارا خیال آئے تو آنے دینا

○

سکوتِ نیم شبی سن کے ڈر گئے ہم بھی
ہمیں سنبھال کہ گیتوں سے بھر گئے ہم بھی

ہمیں پسند تھی شہد و شراب کی دنیا
کتابِ سبز کی تصدیق پر گئے ہم بھی

ہمارے ساتھ فرشتے کلام کرتے ہیں
کبھی کبھی تو یہ لگتا ہے مر گئے ہم بھی

زمانہ ہجر کا ہم پر بھی جھیل سا گزرا
کہ رُت بدلتے ہی مٹی سے بھر گئے ہم بھی

بچھڑنے والو! کبھی آئینہ بھی دیکھنا تم
تمہارے ساتھ کوئی ہاتھ کر گئے ہم بھی

ebooksgallery.com

○

اس دل کو تسلی ہوئی دلگیر سے لگ کر
کل رات میں رویا ہوں بہت میرؔ سے لگ کر

اس دیرِ طلب دل نے بھی نظریں نہ ملائیں
شرمندہ ہوا زخم بھی تاخیر سے لگ کر

اب میں ترے دامن سے لگا سوچ رہا ہوں
کیا گرد کو مل جاتا ہے رہگیر سے لگ کر

اچھا ہو اگر تو بھی مرا ہاتھ پکڑ لے
اٹھنے کو ہوں میں خواہشِ تعمیر سے لگ کر

○

گدائے حرف ہیں، شام و سحر تسبیح کرتے ہیں
ہم اٹھتے بیٹھتے اسمِ ہنر تسبیح کرتے ہیں

کہ جیسے شہر پر کوئی مصیبت آنے والی ہو
ہوا کچھ پڑھتی پھرتی ہے شجر تسبیح کرتے ہیں

ہماری خستگی پر اسمِ اعظم کا اثر کیا ہو
ہماری پوریں جھڑتی ہیں اگر تسبیح کرتے ہیں

خدا وندا! یہ کیسی رات آئی ہے قیامت کی
ترے بندے کوئی حرفِ دگر تسبیح کرتے ہیں

ebooksgallery.com

تو ہم یوں ابتدا کرتے ہیں ذکر و فکر کی محفل
اِدھر سورج نکلتا ہے اُدھر تسبیح کرتے ہیں

ہمارے ہاں بھی ہوتا ہے حسابِ دوستاں در دل
شمارِ شوق کے مارے مگر تسبیح کرتے ہیں

چٹختی چٹکی سے بھی صدائے قیل و قال ابھری
زوالِ عصر کی گھڑیوں میں گھر تسبیح کرتے ہیں

○

کس کر باندھی گئی رگوں میں دل کی گرہ تو ڈھیلی ہے
اس کو دیکھ کے جی بھر آنا کتنی بڑی تبدیلی ہے

زندہ رہنے کی خواہش میں دم دم لو دے اٹھتا ہوں
مجھ میں سانس رگڑ کھاتی ہے یا ماچس کی تیلی ہے

ان آنکھوں میں کودنے والو تم کو اتنا دھیان رہے
وہ جھیلیں پایاب ہیں لیکن ان کی تہ پتھریلی ہے

کتنی صدیاں سورج چمکا کتنے دوزخ آگ جلی
مجھے بنانے والے میری مٹی اب تک گیلی ہے

ebooksgallery.com

زندہ ہوں تو مجھے بتائیں نیلے ہونٹوں والے لوگ
میرا کیسا رنگ کرے گی بات جو میں نے پی لی ہے

ممکن ہے اب وقت کی چادر پر میں کروں رفو کا کام
جوتے میں نے گانٹھ لیے ہیں گدڑی میں نے سی لی ہے

○

خوشی سنبھالنے کا انتظام کر دے گا
ثمر سے پہلے مجھے ٹہنیوں سے بھر دے گا

اسی خیال سے اپنی جڑیں نہ پھیلنے دیں
کہ جس نے پاؤں دیے ہیں کبھی سفر دے گا

وہ جس نے پیدا کیا ہے مجھے سفر کے لیے
قیامِ ناقۂ دوراں کی پیٹھ پر دے گا

تو جانتی نہیں دریا کو آلِ ابراہیم
بہت ہوا تو وہ چڑیا کی چونچ بھر دے گا

ebooksgallery.com

مری شکست میں رکھے گا فتح کی تدبیر
نہتا کر کے مجھے خوف کی سپر دے گا

اسے پسند نہیں ہوں میں پہلی حالت میں
میں اور ہوں وہ مجھے کوئی اور کر دے گا

وہ دیکھنے میں جو دل کو یونہی سا لگتا ہے
مرے خدا مجھے مجبور تو نہ کر دے گا

کہاں کا عشق جہاں سب کے سب ہوں جلدی میں
کسی نے وقت دیا بھی تو مختصر دے گا

قریب ہے کہ سیاق و سباق سے ہٹ کر
ترا حوالہ کوئی بات بات پر دے گا

○

لہو لہو ہیں مگر یہاں ہم یہ جاننے کو رکے ہوئے ہیں
یہ بانس کی کونپلیں ہیں یا اس زمیں کے ناخن بڑھے ہوئے ہیں

نہ جانے کس نے انڈیل دی شہرِ غم پہ مہتاب کی صراحی
شراب گلیوں میں بہہ رہی ہے پیالے اوندھے پڑے ہوئے ہیں

ابھی تو خود تم نئے نئے ہو ہمیں سکھاؤ گے عشق کرنا
یہ کام ہم نے کیا ہوا ہے یہ پانی ہم نے بھرے ہوئے ہیں

وہ رات خوباں کی یاد آئی کہ میرے حجرے میں آگ آئی
میں صبح کیا دیکھتا ہوں میرے بدن پہ چھالے پڑے ہوئے ہیں

ebooksgallery.com

کسی نے دیکھا کسی نے پوچھا کسی نے روکا کسی نے ٹوکا
ہمیں محبت سے پیشتر بھی بڑے بڑے تجربے ہوئے ہیں

دعائیں ان کے لیے جنہیں دل لگانے کی دھن نہیں سمائی
سلام ان پر کہ جو محبت میں جان سے بھی گئے ہوئے ہیں

نہ اس میں آسیبِ آرزو ہے نہ اس میں بچوں کی ہاؤ ہو ہے
نہ جانے کیوں اس مکانِ دل سے محلے والے ڈرے ہوئے ہیں

○

مسافرت میں شبِ وغا تک پہنچ گئے ہیں
یہ لوگ اپنی ابد سرا تک پہنچ گئے ہیں

اب اس سے اگلا سفر ہمارا لہو کرے گا
کہ ہم مدینے سے کربلا تک پہنچ گئے ہیں

اگر مبارز طلب نہیں تھے تو کس لیے ہم
چراغ لے کر درِ ہوا تک پہنچ گئے ہیں

گلابوں اور گردنوں سے اندازہ ہو رہا ہے
کہ ہم کسی موسمِ جزا تک پہنچ گئے ہیں

ebooksgallery.com

تری محبت میں گمرہی کا عجب نشہ تھا
کہ تجھ تک آتے ہوئے خدا تک پہنچ گئے ہیں

بتا رہی ہے یہ خشک پتوں کی تیز بارش
ہم اپنے موسم کی ابتداء تک پہنچ گئے ہیں

ہمیں بھی شنوائی کا یقیں ہو چلا ہے تابش
کہ ہم بھی تحریک التوا تک پہنچ گئے ہیں

○

یار کے غم کو عجب نقش گری آتی ہے
پور پور آنکھ کے مانند بھری آتی ہے

بے تعلق نہ ہمیں جان کہ ہم جانتے ہیں
کتنا کچھ جان کے یہ بے خبری آتی ہے

اس قدر گوندھنا پڑتی ہے لہو سے مٹی
ہاتھ گھل جاتے ہیں تب کوزہ گری آتی ہے

کتنا رکھتے ہیں وہ اس شہرِ خموشاں کا خیال
روز اک ناؤ گلابوں سے بھری آتی ہے

زندگی کیسے بسر ہو گی کہ ہم کو تابش
صبر آتا ہے نہ آشفتہ سری آتی ہے

ebooksgallery.com

○

نمودِ خواب و خواہش ہو رہی ہیں
خزاں کی تیز بارش ہو رہی ہے

پرندے بھی اگر مل بیٹھتے ہیں
یہی لگتا ہے سازش ہو رہی ہے

ابھی تک ٹہنیاں دستِ دعا ہیں
ابھی تک وہ سفارش ہو رہی ہیں

کسی نے خط میں لکھا ہے کہ تابش
یہاں کچھ دن سے بارش ہو رہی ہے

○

یہ جو نشہ سا طاری ہے طاری رہے رقص جاری رہے
میرے مولا یہ بے اختیاری رہے رقص جاری رہے

ہم نہیں چاہتے یہ در و بام بھی اپنے ہم رقص ہوں
یہ ہماری اذیت ہماری رہے رقص جاری رہے

ہم لہو میں نہائیں کہ جاں ہی سے جائیں تجھے اس سے کیا
شہرِ تہمت تری سنگباری رہے رقص جاری رہے

ہم نے تو جس جگہ تجھ کو رکھا وہیں آبلہ پڑ گیا
پائے وحشت تری وضعداری رہے رقص جاری رہے

ebooksgallery.com

ایک پاکوب سے کہہ رہا ہے چیختا ہوا خاکداں
جتنی دیر اس جگہ تیری باری رہے رقص جاری رہے

رقص کر کے ہی اس کو منانا پڑا تو منائیں گے ہم
چاہے اس میں نہ عزت ہماری رہے رقص جاری رہے

○

قدم میں گھر سے نکالوں تو گھر بھی جاتا ہے
کبھی کبھی مرا جانا ٹھہر بھی جاتا ہے

یہ لوگ ملبے سے زندہ نکلتے ہیں ہر شام
کسی کی آئی ہوئی ہو تو مر بھی جاتا ہے

یہ گھر بنائے گئے کشتیوں کے پل کی طرح
دھمک بھی رہتی ہے طوفاں گزر بھی جاتا ہے

تمہارا ہاتھ نہیں شہر کی تباہی میں
میں کیا کروں کہ مرا ذہن ادھر بھی جاتا ہے

ebooksgallery.com

یہ دھوپ نہیں ہے کہ ساحلوں پہ رہے
یہ خوف ہے یہ پس بام و در بھی جاتا ہے

گھروں میں بیٹھے تجھے یاد کرتے رہتے ہیں
پتہ بھی چلتا نہیں دن گزر بھی جاتا ہے

مرا فتور ہے یہ میری زندگی تابش
اسے جھٹکنے کا سوچوں تو سر بھی جاتا ہے

○

جس طرح رنج میں آنکھوں کی نمی کا ہونا
ایسا ہوتا ہے محبت میں کسی کا ہونا

کیوں نہ پھر اس سے تعلق کو نبھایا جائے
جب کسی اور کا ہونا ہے اُسی کا ہونا

تیرا سورج کے قبیلے سے تعلق تو نہیں
یہ کہاں سے تجھے آیا ہے کبھی کا ہونا

منہ میں ابھرے ہوئے چھالے کی طرح ہے ترا نام
اتنا آساں نہ سمجھ کم سخنی کا ہونا

عشق دیمک کی طرح چاٹ لیا کرتا ہے
اب ضروری نہیں آشفتہ سری کا ہونا

ebooksgallery.com

○

دریا کی روانی ہے روانی کے علاوہ
یہ بھید نہ سمجھا کوئی پانی کے علاوہ

میں تجھ سے کسی اور زمانے میں ملا ہوں
خوابوں سے اُدھر عالمِ فانی کے علاوہ

افسوس تو اس کا ہے کہ اس شہر کی چپ کو
کچھ بھی نہ ملا چرب زبانی کے علاوہ

آئی جو کسی روز تو پوچھوں گا صبا سے
کیا کرتی ہے پیغام رسانی کے علاوہ

ممکن ہے کہ اس دل میں پہنچ پانے کا تابش
رستہ ہو کوئی نقل مکانی کے علاوہ

○

تھکن سے مے کشیدنے کا اہتمام کر لیا
گدا نے اپنے کاسۂ تہی کو جام کر لیا

کہیں نہ جا کے بھی پہنچ گیا ہے مجھ سے پیشتر
یہ کس نے میری ذات میں سفر تمام کر لیا

معاملاتِ عشق میں بلا کے سر پھرے تھے ہم
ترے نثار تُو نے تو ہمیں غلام کر لیا

جو بات میرے دل میں تھی پہنچ گئی ہے شہر تک
میں اتنا چپ رہا کہ میں نے خود کو عام کر لیا

ebooksgallery.com

جمالِ کم نما تجھے خبر نہیں ہے اور یاں
کسی نے جشنِ وصل تک کا انتظام کر لیا

تو کیا کسی چراغ سے چپک گئے تھے میرے ہونٹ
کہ بوسہ اپنے ہاتھ کا بھی دل کو تھام کر لیا

○

عشق گریہ پہ خفا کس لیے تو ہوتا ہے
آنکھ کا زخم تو پانی سے رفو ہوتا ہے

موسمِ گل نہ سہی تم ہی کوئی بات کرو
شاخِ لب سے بھی ادا قرضِ نمو ہوتا ہے

اتنے اسبابِ تکلم پہ بھی خاموش ہے تو
دیکھ خوشبو کے نہ لب ہیں نہ گلو ہوتا ہے

شہر کا شہر ہی دشمن ہے مگر کیا کیجے
ہاتھ جس پر بھی اٹھے سامنے تو ہوتا ہے

ebooksgallery.com

○

کھا کے سوکھی روٹیاں پانی کے ساتھ
جی رہا تھا کتنی آسانی کے ساتھ

یوں بھی منظر کو نیا کرتا ہوں میں
دیکھتا ہوں اس کو حیرانی کے ساتھ

گھر میں اک تصویر جنگل کی بھی ہے
رابطہ رہتا ہے ویرانی کے ساتھ

آنکھ کی تہ میں کوئی صحرا نہ ہو
آ رہی ہے ریت بھی پانی کے ساتھ

زندگی کا مسئلہ کچھ اور ہے
شعر کہہ لیتا ہوں آسانی کے ساتھ

○

جب مجنوں سا چاہنے والا ہوتا ہے
پورے عہد کا ایک حوالہ ہوتا ہے

کوئی کوئی عشق میں ہوتا ہے گمنام
کوئی کوئی عزت والا ہوتا ہے

اپنے دکھ اپنی ہی آنکھیں روتی ہیں
ہر گھر کا اپنا پرنالا ہوتا ہے

رونے سے بھی رونق آتی ہے رخ پر
بارش سے بھی حسن دوبالا ہوتا ہے

ebooksgallery.com

روز ہی دل کو صاف کیا کرتا ہوں میں
روز ہی اس کونے میں جالا ہوتا ہے

جب میں اس کو رخصت کرنے جاتا ہوں
وہ منظر بھی دیکھنے والا ہوتا ہے

ان میں سے ہوں جن کا سارا مال منال
ایک پیالہ ایک دو شالہ ہوتا ہے

قریبِ ہجر میں کیا کیا دکھائی دیتا ہے
وہ جا رہا ہو تو آتا دکھائی دیتا ہے

مری تو آنکھیں بھی اندر کی سمت کھلتی ہیں
جو چاہتا ہوں وہ ہوتا دکھائی دیتا ہے

گزر چکا ہے کم و بیش عرصۂ ہستی
کہیں کہیں کوئی لمحہ دکھائی دیتا ہے

وہ بے گھری ہے کہ اب ہاتھ کی لکیروں میں
کسی مکان کا نقشہ دکھائی دیتا ہے

ebooksgallery.com

میں روز دیکھتا ہوں آئینہ مگر اس میں
کبھی کبھی کوئی اپنا دکھائی دیتا ہے

کہاں وہ وقت کہ پانی سے خوف آتا تھا
اور اب زمین میں چہرہ دکھائی دیتا ہے

یہ دیکھنے کو تماشا بنے تماشائی
وہ دیکھتا ہوا کیسا دکھائی دیتا ہے

○

نیا پرندہ قفس سے باہر بنا رہا ہوں
میں اپنی مرضی کا پیش منظر بنا رہا ہوں

مجھے بھی اوروں کی طرح کاغذ ملا ہے لیکن
میں اس سے ناؤ نہیں سمندر بنا رہا ہوں

یہاں سے ہجرت کے بعد بھی میں یہیں رہوں گا
نیا مکاں اپنے گھر کے اندر بنا رہا ہوں

عجب خموشی ہے جھیل کے ٹھہرے پانیوں میں
میں اس خموشی سے ایک پتھر بنا رہا ہوں

ebooksgallery.com

بہت ہی ویرانیاں ہیں غرفے کی جالیوں میں
میں اس کی خاطر نیا کبوتر بنا رہا ہوں

یہ گھر تو بچ جائے گا پرندہ حنوط کر کے
مگر میں اپنی مثال کیونکر بنا رہا ہوں

اور اب اداسی کی ستر پوشی کا مرحلہ ہے
تھکن کے دھاگوں سے ایک چادر بنا رہا ہوں

مجھے خود اس کی سمجھ نہیں آ رہی ہے تابش
جو غم کی شکلِ ہزار پیکر بنا رہا ہوں

○

زخم چھپانے کو ہم خلعت مانگتے ہیں
تم کہتے ہو اجرِ ہجرت مانگتے ہیں

کاٹھ کی روٹی باندھ کے خالی شکموں پر
لوگ محبت صرف محبت مانگتے ہیں

تو بھی عشق کی خاطر کوئی وقت نکال
ہم بھی اپنے رب سے مہلت مانگتے ہیں

اب تو شاید سر دے کر ہی بات بنے
جزیہ دینے والے بیعت مانگتے ہیں

ebooksgallery.com

میری دعا سے اور تری آمین سے کیا
اس بستی کے لوگ قیامت مانگتے ہیں

لے دے کر اک خاک نشینی باقی ہے
اس پر بھی یہ لوگ خلافت مانگتے ہیں

شام کو شکرانے کے نفل ادا کر کے
ساری رات خدا سے عزت مانگتے ہیں

○

زمیں پہ نصف النہار کا وقت ہو گیا ہے
کسی نئے انتظار کا وقت ہو گیا ہے

گزر رہی ہے زوال کی ساعتوں سے دنیا
دعاؤں پر انحصار کا وقت ہو گیا ہے

میں آپ اپنا دیا بجھانے پہ تل گیا ہوں
یہاں سے میرے فرار کا وقت ہو گیا ہے

بگل کی آواز سن کے آنسو نکل پڑے ہیں
کہ پھر کسی شہر یار کا وقت ہو گیا ہے

ebooksgallery.com

ادھر بھی ناؤ میں سو رہا ہے نڈھال سورج
اُدھر بھی دریا کے پار کا وقت ہو گیا ہے

ہماری پوروں سے خون رسنے لگا ہے تابش
مصیبتوں کے شمار کا وقت ہو گیا ہے

○

یہ ہم جو ہجر میں اس کا خیال باندھتے ہیں
ہوا کی شاخ سے بوئے وصال باندھتے ہیں

ہمارے بس میں کہاں زیست کو سخن کرنا
یہ قافیہ فقط اہلِ کمال باندھتے ہیں

یہ عہدِ جیب تراشاں کو اب ہوا معلوم
یہاں کے لوگ گرہ میں سوال باندھتے ہیں

وہ خوب جانتے ہیں ہم دعا نہادوں کو
ہمارے ہاتھ بوقت زوال باندھتے ہیں

ebooksgallery.com

کبھی کو شوقِ اسیری ہے اپنی اپنی جگہ
وہ ہم کو اور ہم ان کا خیال باندھتے ہیں

تمہیں پتہ ہو کہ ہم ساحلوں کے پروردہ
محبتوں میں بھی مضبوط جال باندھتے ہیں

پھر اس کے بعد کہیں بھی وہ جا نہیں سکتا
جسے بھی باندھتے ہیں ہم کمال باندھتے ہیں

○

کوئی خوابِ خبر آثار دیکھیں
کبھی ان وحشتوں کے پار دیکھیں

ہوا بھی منہ چڑانے لگ گئی ہے
اسے بھی کوئی پتھر مار دیکھیں

یہاں کی خامشی بھی گونجتی ہے
پسِ آوازۂ کہسار دیکھیں

وگرنہ مار دے گی یہ اداسی
کوئی روئے سخن آثار دیکھیں

ebooksgallery.com

کبھی کو شوقِ اسیری ہے اپنی اپنی جگہ
وہ ہم کو اور ہم ان کا خیال باندھتے ہیں

تمہیں پتہ ہو کہ ہم ساحلوں کے پروردہ
محبتوں میں بھی مضبوط جال باندھتے ہیں

پھر اس کے بعد کہیں بھی وہ جا نہیں سکتا
جسے بھی باندھتے ہیں ہم کمال باندھتے ہیں

○

کوئی خواب خبر آثار دیکھیں
کبھی ان وحشتوں کے پار دیکھیں

ہوا بھی منہ چڑانے لگ گئی ہے
اسے بھی کوئی پتھر مار دیکھیں

یہاں کی خامشی بھی گونجتی ہے
پسِ آوازۂ کہسار دیکھیں

وگرنہ مار دے گی یہ اداسی
کوئی روئے سخن آثار دیکھیں

ebooksgallery.com

کسی کو شوقِ اسیری ہے اپنی اپنی جگہ
وہ ہم کو اور ہم ان کا خیال باندھتے ہیں

تمہیں پتہ ہو کہ ہم ساحلوں کے پروردہ
محبتوں میں بھی مضبوط جال باندھتے ہیں

پھر اس کے بعد کہیں بھی وہ جا نہیں سکتا
جسے بھی باندھتے ہیں ہم کمال باندھتے ہیں

○

کوئی خواب خبر آثار دیکھیں
کبھی ان وحشتوں کے پار دیکھیں

ہوا بھی منہ چڑانے لگ گئی ہے
اسے بھی کوئی پتھر مار دیکھیں

یہاں کی خامشی بھی گونجتی ہے
پسِ آوازۂ کہسار دیکھیں

وگرنہ مار دے گی یہ اداسی
کوئی روئے سخن آثار دیکھیں

ebooksgallery.com

سبھی کو شوقِ اسیری ہے اپنی اپنی جگہ
وہ ہم کو اور ہم ان کا خیال باندھتے ہیں

تمہیں پتہ ہو کہ ہم ساحلوں کے پروردہ
محبتوں میں بھی مضبوط جال باندھتے ہیں

پھر اس کے بعد کہیں بھی وہ جا نہیں سکتا
جسے بھی باندھتے ہیں ہم کمال باندھتے ہیں

○

کوئی خواب خبر آثار دیکھیں
کبھی ان وحشتوں کے پار دیکھیں

ہوا بھی منہ چڑانے لگ گئی ہے
اسے بھی کوئی پتھر مار دیکھیں

یہاں کی خامشی بھی گونجتی ہے
پسِ آوازہ کہسار دیکھیں

وگرنہ مار دے گی یہ اداسی
کوئی روئے سخن آثار دیکھیں

ebooksgallery.com

اک اور مشکل آ پڑی طفلانِ شہر کو
پتھر سمیٹ لائے ہیں پاگل کہاں سے لائیں

رخصت کی شام آ گئی اب کیا بہانہ ہو
آنکھوں میں اشک ہی نہیں جل تھل کہاں سے لائیں

○

اس قیامت میں مجھے اظہار کی توفیق دے
ربِ سایہ حرفِ سایہ دار کی توفیق دے

دیکھ اب کتنے خدا میرے مقابل آ گئے
میں نہ کہتا تھا مجھے انکار کی توفیق دے

مجھ سے اب تنہا نہیں ہونے کی یہ سیرِ چمن
میرے دشمن کو دلِ بیمار کی توفیق دے

تیرے دل میں جو سخن ہے وہ مرے دل میں بھی تھا
اس کی مرضی ہے جسے اظہار کی توفیق دے

اے خدا مجھ کو زیادہ دیر بے مصرف نہ رکھ
زیست کی توفیق دی ہے پیار کی توفیق دے

ebooksgallery.com

○

نہ اہل تخت نہ ان کے مخالفین کے ساتھ
مری ہیں ساری وفاداریاں زمین کے ساتھ

مجھے بھی اپنے مدینے میں زندہ رہنا ہے
مجھے بھی رکھنی پڑے گی منافقین کے ساتھ

اداس شام ' تھکے سائے ' غالبِ خستہ
بڑے مزے میں ہوں اپنے معاصرین کے ساتھ

یہ دل کہ زہر کو مٹکے کی طرح چوستا ہے
نہ مار رکھنا اسے مار آستین کے ساتھ

ہزار پیاس ہو مٹی پہ لب نہیں رکھتے
یہ احتیاط بھی چلتی ہے صابرین کے ساتھ

○

یہ جو بے وقت صبح یابی ہے
کس کی آنکھوں کی نیم خوابی ہے

تو جو اچھا بہت ہی اچھا لگا
دوست تجھ میں کوئی خرابی ہے

مجھ پہ تہمت تراشنے والو
یہ مری پہلی کامیابی ہے

جی بھر آتا گلاب کھلنے پر
استعارے کی بازیابی ہے

ebooksgallery.com

میری تشنہ لبی کے ساحل پر
چاندنی سے بھری گلابی ہے

یہ ثمر کا بہانہ ہے ورنہ
شاخ کو اذنِ باریابی ہے

میں فلک کو برا نہیں کہتا
میرے نزدیک یہ صحابی ہے

اے اسیرانِ خانۂ دل بند
گھر کے اندر ہی گھر کی چابی ہے

تابش اس گھر کے شور کا حاصل
ایک ٹوٹی ہوئی رکابی ہے

○

یہ ان دنوں کا ذکر ہے اک بادشاہ تھا
جس کی نظر میں زندگی کرنا گناہ تھا

شوقِ مراجعت کی وہاں اڑ رہی تھی خاک
کشتی جلی ہوئی تھی کنارہ سیاہ تھا

میں اسکے ساتھ پھرتا تھا قصرِ قدیم میں
اس دوستی کا ایک کبوتر گواہ تھا

بیٹھا تھا اس پہ چاند کسی چیل کی طرح
کتنا بلند شہر میں نخلِ گناہ تھا

ebooksgallery.com

ٹوٹے پروں کا تاج مری یادگار ہے
اے کج کلاہ میں بھی کبھی کج کلاہ تھا

اہلِ حکم کو میری ضرورت تھی جن دنوں
تکیہ فقیر کا مری آماجگاہ تھا

○

اب کے پتہ چلے گا ہمارے غنیم کو
ہم نے سپر کیا ہے الم کو

اک شاخ پھوٹ آئی شکستہ فصیل سے
تازہ کیا بہار نے حسنِ قدیم کو

اس بے یقین شہر نے کتنا برا کیا
برباد کر کے رکھ دیا ذوقِ سلیم کو

یہ زندگی نہیں تھی فرشتوں کے بس کی بات
بھیجا گیا زمین پر صبرِ صمیم کو

ebooksgallery.com

○

کیسا رنگ و روشنی کا قہر ہے
دن ڈھلے بھی شہر میں دوپہر ہے

آدمی اب بھاگ کر جائے کہاں
شہر کے چاروں طرف بھی شہر ہے

مر گیا ہے چاند بھی چڑیوں کے ساتھ
جھیل کے پانی میں کتنا زہر ہے

ہجر بھی پلکیں جھپکنے لگ گیا
عشق کی دنیا میں پچھلا پہر ہے

بس یہیں تک ہے یہ دریا خون کا
اس سے آگے تتلیوں کا شہر ہے

○

میں اور کھاؤں موسمِ تعزیر کی قسم
یہ سب غلط ہے زلفِ گرہ گیر کی قسم

دنیا کو تلخ دیکھ کے یوں بدگماں نہ ہوں
تجھ لب کی اور بات ہے انجیر کی قسم

سچ مچ ہمارے دل کو کوئی رنج کھا گیا
جھوٹے سخن بنائے نہیں میرؔ کی قسم

میں باغ لے کے جاؤں گا باغِ بہشت میں
اک زخم کوئی زخم نہیں تیر کی قسم

ebooksgallery.com

دنیا اسی جگہ ہے مرے انتظار میں
میں عشق کر کے آیا ہوں تاخیر کی قسم

آتا نہیں یقین تو گلیوں میں پھر کے دیکھ
یاں اور ماجرا ہے اساطیر کی قسم

○

سرخ مٹی ہے کہ انجام سفر محفوظ ہے
شیشۂ محفوظ میں کوئی خبر محفوظ ہے

چلتے چلتے گھر گئے ہیں خیمہ و دریا کے بیچ
ہم سمجھتے تھے ہماری رہگزر محفوظ ہے

اونٹوں والے تو یہاں سے کب کے ہجرت کر گئے
لیکن ان کا ماجرا اس خاک پر محفوظ ہے

ہیں یہاں کے پیڑ انصار مدینہ کی طرح
اہلِ ہجرت کو یہ مژدہ ہو شجر محفوظ ہے

ebooksgallery.com

یہ پرندے آیتِ ردِ بلا سے کم نہیں
ان کے ہونے سے ہمارا مستقر محفوظ ہے

جس پہ اتری تھیں تری آنکھیں پرندوں کی طرح
اب بھی وہ چشمہ حدِ ادراک پر محفوظ ہے

○

الفاظ بادشاہ کے، لہجہ فقیر کا
کس امتزاج سے چلا قصہ فقیر کا

تہمت ملی کہیں سے کہیں سے زرِ ملال
خالی نہیں رہا کبھی کاسہ فقیر کا

سنتے ہیں اب وہاں ہیں کئی گھر بنے ہوئے
اب وہ فقیر ہے نہ وہ تکیہ فقیر کا

آواز ساتھ ساتھ ہے دمساز کی طرح
بج اٹھا ہے کھڑاؤں سے رستہ فقیر کا

ebooksgallery.com

پھر اس کے بعد شہر کی حالت بدل گئی
بدلا تھا بادشاہ نے حلیہ فقیر کا

یہ مہربانیاں نہیں اونچے درخت کی
تابشؔ ہمارے سر پہ ہے سایہ فقیر کا

○

لفظ میں شکل سی ابھر آئی
اب مری بات سطح پر آئی

ہم جو بے اختیار ہنسنے لگے
کیا کہیں سے بری خبر آئی

جانے کیا کیا جلا پسِ افلاک
صبح دم راکھ سی ادھر آئی

لفظ پھوٹے ہیں شاخ کے مانند
چیخ دیوار سے گزر آئی

ebooksgallery.com

سانس چڑھتے ہیں چٹخنی کی طرح
کیا بلا شہر میں اتر آئی

پہلے کچھ دن لگا کہ وہ میں ہوں
پھر نہ اس کی کوئی خبر آئی

پھر وہ سناہٹا ہوا تابش
ذہن میں چاپ سی ابھر آئی

○

جب کہا دل نے کہ باہر کی طرف
کھنچ گیا میں اور اندر کی طرف

میں نے پہلے پر گزارا کر لیا
ورنہ سب جاتے ہیں بہتر کی طرف

صبح دم اٹھا تھکن سے چور چور
خواب میں چلتا رہا گھر کی طرف

اس مکاں کا ایک دروازہ کتاب
اور اک کھڑکی سمندر کی طرف

ebooksgallery.com

ہے ضرورت میری نامعلوم کو
میں ہوں موجود و میسر کی طرف

یعنی شک میں ہے طرفداری مری
کون ہو سکتا ہے اکثر کی طرف

کھلتی ہے باہر کے منظر میں کہیں
دیکھتی ہے آنکھ اندر کی طرف

○

شکستہ خواب و شکستہ پا ہوں مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا
میں آخری جنگ لڑ رہا ہوں مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا

ہوائیں پیغام دے گئی ہیں کہ مجھ کو دریا بلا رہا ہے
میں بات ساری سمجھ گیا ہوں مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا

نہ جانے کوفے کی کیا خبر ہو نہ جانے کس دشت میں بسر ہو
میں پھر مدینے سے جا رہا ہوں مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا

مجھے عزیزانِ من ! محبت کا کوئی بھی تجربہ نہیں ہے
میں اس سفر میں نیا نیا ہوں مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا

مجھے کسی سے بھلائی کی اب کوئی توقع نہیں ہے تابش
میں عادتاً سب سے کہہ رہا ہوں مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا

ebooksgallery.com

میرا رنج مستقل بھی جیسے کم سا ہو گیا
میں کسی کو یاد کر کے تازہ دم سا ہو گیا

پروں میں شام ڈھلتی ہے

ebooksgallery.com

شکیل جاذب کے نام

○

سبز گنبد کی جھلک دیدۂ تر سے آگے
دیکھ سکتی ہے نظر حدِ نظر سے آگے

جس جگہ شرط ہے بینائی کے بل چلنے کی
وہ سفر اور ہے قدموں کے سفر سے آگے

وہ نہ چاہیں تو کہاں نعت لکھی جاتی ہے
مدحِ سرکارؐ کی منزل ہے ہنر سے آگے

ebooksgallery.com

صاحب عشق اسے عشق کی دولت دے دے
اک فقیر اور بھی ہے کاسۂ سر سے آگے

تابش اس در پہ سب اسرار ازل کھلتے ہیں
میری حیرت کی رسائی ہے خبر سے آگے

○

دشت میں پیاس بجھاتے ہوئے مر جاتے ہیں
ہم پرندے کہیں جاتے ہوئے مر جاتے ہیں

ہم ہیں سوکھے ہوئے تالاب پہ بیٹھے ہوئے ہنس
جو تعلق کو نبھاتے ہوئے مر جاتے ہیں

گھر پہنچتا ہے کوئی اور ہمارے جیسا
ہم ترے شہر سے جاتے ہوئے مر جاتے ہیں

کس طرح لوگ چلے جاتے ہیں اٹھ کر چپ چاپ
ہم تو یہ دھیان میں لاتے ہوئے مر جاتے ہیں

ebooksgallery.com

اُن کے بھی قتل کا الزام ہمارے سر ہے
جو ہمیں زہر پلاتے ہوئے مر جاتے ہیں

یہ محبت کی کہانی نہیں مرتی لیکن
لوگ کردار نبھاتے ہوئے مرجاتے ہیں

ہم ہیں وہ ٹوٹی ہوئی کشتیوں والے تابش
جو کناروں کو ملاتے ہوئے مر جاتے ہیں

○

تیرے گمنام اگر نام کمانے لگ جائیں
شرف و شیوۂ تسلیم ٹھکانے لگ جائیں

جس طرح نور سے پیدا ہے جہانِ اشیاء
اک نظر ڈال کہ ہم بھی نظر آنے لگ جائیں

یہ بھی ممکن ہے کوئی روکنے والا ہی نہ ہو
یہ بھی ممکن ہے یہاں مجھ کو زمانے لگ جائیں

دیکھ اے حسنِ فراواں! یہ بہت ممکن ہے
میرا دل تنگ نہ لگے تیرے خزانے لگ جائیں

ebooksgallery.com

جن کے ہونے سے ہے مشروط ہمارا ہونا
اپنے ہونے کا نہ احساس دلانے لگ جائیں

تو محبت کی غرض لحظۂ موجود سے رکھ
تیرے ذمے نہ مرے درد پرانے لگ جائیں

یہ محبت نہ کہیں ردِ عمل بن جائے
ہم ترے بعد کوئی ظلم نہ ڈھانے لگ جائیں

کارِ دنیا بھی عجب ہے کہ مرے گھر والے
دن نکلتے ہی مری خیر منانے لگ جائیں

پاس ہی ڈوب رہی ہے کوئی کشتی تابش
خود نہیں بچتے اگر اس کو بچانے لگ جائیں

○

ہوائے تیز ترا ایک کام آخری ہے
کہ نخلِ خشک پہ ماہِ تمام آخری ہے

میں جس سکون سے بیٹھا ہوں اس کنارے پر
سکوں سے لگتا ہے میرا قیام آخری ہے

پھر اس کے بعد یہ بازارِ دل نہیں لگنا
خرید لیجیے صاحب! غلام آخری ہے

گزر چلا ہوں کسی کو یقیں دلاتا ہوا
کہ لوحِ دل پہ رقم ہے جو نام آخری ہے

ebooksgallery.com

تبھی تو پیڑ کی آنکھوں میں چاند بھر آیا
کسی نے کہہ دیا ہوگا کہ شام آخری ہے

یہ لگ رہا ہے محبت کے پہلے زینے پہ
کہ جس مقام پہ ہوں یہ مقام آخری ہے

کسی نے پھر سے کھڑے کر دیے در و دیوار
خیال تھا کہ مرا انہدام آخری ہے

ہمارے جیسے وہاں کس شمار میں ہوں گے
کہ جس قطار میں مجنوں کا نام آخری ہے

شروع عشق میں ایسی اداسیاں تابش
ہر ایک شام یہ لگتا ہے شام آخری ہے

○

اندر کو بہتی آنکھ سے کٹتا تو میں بھی ہوں
دریا کو کیا بتاؤں کہ دریا تو میں بھی ہوں

کھاتا ہے رنج چاند کی تنہائی کا مجھے
پھر سوچتا ہوں اس کی طرح کا تو میں بھی ہوں

ناراض تو کسی سے ہوئی جاتی ہے میری جان
تو جانتا ہے بات سمجھتا تو میں بھی ہوں

کر مجھ سے بات اور کہیں اور جا نکل
تیرے لیے فرار کا رستہ تو میں بھی ہوں

ebooksgallery.com

شاخِ گلاب ہی نہیں کرتی ہے زخم زخم
جو پھول توڑے اس سے الجھتا تو میں بھی ہوں

ہے تیری ضد میں تجھ سے محبت کا سلسلہ
تو ہے کسی کا چاہنے والا تو میں بھی ہوں

اب میری جان جاتی ہے مجنوں کے نام سے
پہلے پہل یہ لگتا تھا ایسا تو میں بھی ہوں

○

دمِ سخن ہی طبیعت لہو لہو کی جائے
کوئی تو ہو کہ تری جس سے گفتگو کی جائے

یہ نکتہ کٹتے شجر نے مجھے کیا تعلیم
کہ دکھ تو ملتے ہیں گر خواہشِ نمو کی جائے

کشیدہ کارِ ازل تجھ کو اعتراض تو نہیں
کہیں کہیں سے اگر زندگی رفو کی جائے

میں یہ بھی چاہتا ہوں عشق کا نہ ہو الزام
میں یہ بھی چاہتا ہوں تیری آرزو کی جائے

ebooksgallery.com

محبتوں میں تو شجرے کا بھی نہیں مذکور
تو چاہتا ہے کہ مسلک پہ گفتگو کی جائے

مری طرح سے اُجڑ کر بسائیں شہرِ سخن
جو نقل کرنی ہے میری تو ہو بہو کی جائے

○

دن نکلتا تو کہیں شور مچانے جاتا
میں پرندوں میں پرندہ نظر آنے جاتا

کیا مجھے اور کوئی کام نہیں تھا اس سے
کیا میں دریا پہ فقط پھول بہانے جاتا

میری آنکھیں ہی جسے دیکھ کے شرمندہ تھیں
میں گنہگار اسے ہاتھ لگانے جاتا

میرے مانند اگر اُن کی بھی آنکھیں ہوتیں
میں نیا زخم درختوں کو دکھانے جاتا

ebooksgallery.com

گر اجازت مجھے دیتی مرے اندر کی بھڑک
میں یہی آگ ترے گھر کو لگانے جاتا

سب کے آگے تو اذیت نہ جھلکتا مرا دل
مور کی طرح کہیں پنکھ گرانے جاتا

یہ پرندے جو مجھے راہ بجھاتے تابش
غیب کے باغ سے میں پھول چرانے جاتا

○

ساری دنیا میں مرے جی کو لگا ایک ہی شخص
ایک ہی شخص تھا ایسا بخدا ایک ہی شخص

درجۂ کفر سہی مدحِ جمالِ جاناں
دل کی پوچھو تو خدا سے بھی بنا ایک ہی شخص

ایسا لگتا ہے کبھی عشق کسی ایک سے تھے
ایسا لگتا ہے مجھے ملتا رہا ایک ہی شخص

وہ جو میں اُس کی محبت بھی کسی اور سے کی
ان دنوں شہر کا ہر شخص لگا ایک ہی شخص

ebooksgallery.com

میں تو اے عشق تری کوزہ گری جانتا ہوں
تو نے ہم دو کو ملایا تو بنا ایک ہی شخص

مجھ سے ناراض نہ ہونا مرے اچھے لوگو!
کیا کروں میری محبت نے چنا ایک ہی شخص

تو جو کہتا ہے ترے جیسے کئی اور بھی ہیں
تجھ کو دعویٰ ہے تو پھر خود سا دکھا ایک ہی شخص

تو جسے چاہتا ہے میں بھی اُسے چاہتا ہوں
اچھا لگتا ہے مجھے تیرے سوا ایک ہی شخص

دوست! سب سے کہاں کھنچتا ہے غزل کا چلہ
حجرۂ میر میں ہوتا ہے سدا ایک ہی شخص

○

جمالِ یار کا کیا خوش بھی ہے اُداس بھی ہے
مگر یہ دل کہ جسے کیفیت کا پاس بھی ہے

عجب نہیں جو اُسے خود سے عشق ہو جائے
ادا بھی رکھتا ہے ظالم ادا شناس بھی ہے

اے اپنے عشق کی باتیں سنانے والے شخص
اسی طرح کی کہانی ہمارے پاس بھی ہے

نہ جانے کون طرف جائے رنجِ محرومی
پڑی ہے تیغ بھی اور میز پر گلاس بھی ہے

ebooksgallery.com

خفا ہوا بھی تو رسوا نہیں کرے گا تجھے
کہ زود رنج ترا مصلحت شناس بھی ہے

وہ ایک شخص کہ کرتا ہے عقل کی باتیں
تمہارے بارے میں تھوڑا سا بدحواس بھی ہے

تجھے پسند بہت ہے گلاب کا کھلنا
اور اتفاق سے تو آئینے کے پاس بھی ہے

کریں تو کس سے کریں کم سماعتی کا گلہ
''ستم تو یہ ہے کہ ظالم سخن شناس بھی ہے''

○

تو ہمارے نام سے ویسے بھی جانا جائے ہے
ہم سے کھل کر عشق کرنے میں ترا کیا جائے ہے

ڈھیل دینے کا سبب ترکِ تعلق تو نہیں
دیکھنا ہے اُس طرف وہ اور کتنا جائے ہے

ہاتھ جتنے میں پہنچتے ہیں سرِ شاخِ وصال
زندگی کے باغ میں موسم نیا آ جائے ہے

برف پگھلے گی تو ہم بھی چل پڑیں گے اُس کے ساتھ
دیکھنے والے یہی سمجھیں گے دریا جائے ہے

ebooksgallery.com

چارہ گر سے تب کہوں جب کوئی دن کی بات ہو
زندگی تو رائیگاں لمحہ بہ لمحہ جائے ہے

تجھ کو اپنے آپ سے فرصت نہیں ہے اور یاں
اے نگاہِ یار میرا وقت گزرا جائے ہے

اے فصیلِ وقت! اس کو روک سکتی ہے تو روک
تجھ سے میرے جسم کا پتھر سرکتا جائے ہے

یہ محبت کس لیے ہے یہ رفاقت کس لیے
جب جہانِ خاک سے ہر شخص تنہا جائے ہے

اس طرح میں توڑے جاتا ہوں ترے ماہ و نجوم
جس طرح بچہ کوئی برتن گراتا جائے ہے

مرتضیٰ برلاس کی سن کر غزل لکھی غزل
ورنہ غالب کی زمیں میں کس سے لکھا جائے ہے

○

کم سخن ہیں پسِ اظہار ملے ہیں تجھ سے
ملنا یہ ہے تو کئی بار ملے ہیں تجھ سے

جانتے ہیں کہ نہیں سہل محبت کرنا
یہ تو اک ضد میں مرے یار ملے ہیں تجھ سے

تیز رفتاریِ دنیا کہاں مہلت دے گی
ہم سرِ گرمیِ بازار ملے ہیں تجھ سے

کبھی لاتے تھے ترے واسطے جو شاخِ گلاب
وہ بھی اب کھینچ کے تلوار ملے ہیں تجھ سے

ebooksgallery.com

تیرے ملنے سے انہیں روک سکا ہے کوئی
ملنے والے تو سرِدار ملے ہیں تجھ سے

کھینچ لاتی ہے ہمیں تیری محبت ورنہ
آخری بار کئی بار ملے ہیں تجھ سے

کر رہی تھی درختوں سے پتوں کو جس دم ہوا الوداع
اس قدر شور تھا میں کسی سے نہیں کہہ سکا الوداع

منہ میں پانی بھرا اور اک دم بھنور میں بھنور ہو گئے
اتنی مہلت ہی کب تھی کہ کہتے اُسے بے وفا الوداع

میرے الفاظ یوں رات میرے گلے لگ کے روتے رہے
جیسے لمبے سفر کے لیے ہو کوئی قافلہ الوداع

جس طرح بھی انہیں جوڑ کر دیکھ لوں یہ لکیریں نہیں
بے خیالی میں کس نے مرے ہاتھ پر لکھ دیا الوداع

ebooksgallery.com

پہلے اس دل میں جتنی تمنائیں تھیں سب کو رخصت کیا
پھر دلِ مبتلا کو بھی یکبارگی کہہ دیا الوداع

زندگی! میں تو جب بھی ترے ہاتھ میں ہاتھ دینے لگا
میرے اندر کوئی مجھ سے کہنے لگا تابشؔ! الوداع

○

ہمارے دُکھ نہ کسی طور جب ٹھکانے لگے
ہم اپنے گھر میں پرندوں کے گھر بنانے لگے

ہمارے دل میں ہے آسیب آرزو ایسا
کبھی کبھی تو ہمیں خود سے خوف آنے لگے

بچھڑ کے تم سے کسی کو نہ کر سکے انکار
تمہارے بعد محبت کی مار کھانے لگے

ہمارے دل میں کسی نے قیام کیا کرنا
یہی بہت ہے یہاں لوگ آنے جانے لگے

ebooksgallery.com

نہ کیجیو تو محبت کی گفتگو پہ یقیں
بس اک مقام جہاں کوئی دل دکھانے لگے

میں برگِ خشک ہوں ٹہنی سے جڑ نہیں سکتا
درخت کیوں مجھے اپنی طرف بلانے لگے

جہان چھوڑتے جاتے ہیں کس سہولت سے
یہ رفتگاں تو مرا حوصلہ بڑھانے لگے

دمِ وصال مری بھی عصا پہ ٹھوڑی تھی
سو گرتے گرتے مجھے بھی کئی زمانے لگے

○

بادباں کب کھولتا ہوں پار کب جاتا ہوں میں
روز رستے کی طرح دریا سے لوٹ آتا ہوں میں

صبح دم میں کھولتا ہوں رسی اپنے پاؤں کی
دن ڈھلے خود کو کہیں سے ہانک کر لاتا ہوں میں

اپنی جانب سے بھی دیتا ہوں کچوکے جسم کو
اُس کی جانب سے بھی اپنے زخم سہلاتا ہوں میں

ایک بچے کی طرح خود کو بٹھا کر سامنے
خوب خود کو کوستا ہوں خوب سمجھاتا ہوں میں

ebooksgallery.com

خشک پتوں کی طرح ہے قوتِ گویائی بھی
بات کوئی بھی نہیں اور بولتا جاتا ہوں میں

یہ وہی تنہائی ہے جس سے بہل جاتا تھا دل
یہ وہی تنہائی ہے اب جس سے گھبراتا ہوں میں

عشق میں مانع ہے غالبؔ کی طرفداری مجھے
رعب جب چلتا نہیں تو پاؤں پڑ جاتا ہوں میں

میرے ہاتھ آتے ہیں تابشؔ دوسرے موسم کے پھول
ایک موسم میں تو ٹہنی تک پہنچ پاتا ہوں میں

ہم تیری دھن میں تیرے مقابل سے آئے ہیں
منزل کو ڈھونڈتے ہوئے منزل سے آئے ہیں

تو نے اسے بھی نقل مکانی سمجھ لیا
ہم تیرے دل میں اور کسی دل سے آئے ہیں

دنیا سے دست کش ہیں ترے دل گرفتگاں
یہ تیرے پاس اور مسائل سے آئے ہیں

کوئی کسی کو آنکھ اٹھا دیکھتا نہیں
سب میکدے میں اپنے مشاغل سے آئے ہیں

ebooksgallery.com

یہ جو گزر رہی ہے سہولت سے زندگی
ہم اس مقام تک بڑی مشکل سے آئے ہیں

تو اپنے گھر سے نکلی ہوئی شاخ کو نہ دیکھ
مجھ پر یہ پھول بازوئے قاتل سے آئے ہیں

کون و مکاں بھی ڈولتے جاتے ہیں میرے ساتھ
کیا یہ بھی پی کے آپ کی محفل سے آئے ہیں

اب آ چلا ہے ہم کو لہو تھوکنے کا فن
ہم خوش سلیقگی کے مراحل سے آئے ہیں

○

اتنا آساں نہیں مسند پہ بٹھایا گیا میں
شہرِ تہمت تری گلیوں میں پھرایا گیا میں

میرے ہونے سے یہاں آئی ہے پانی کی بہار
شاخِ گریہ تھا سرِ دشت لگایا گیا میں

یہ تو اب عشق میں جی لگنے لگا ہے کچھ کچھ
اس طرف پہلے پہل گھیر کے لایا گیا میں

خوب اتنا تھا کہ دیوار پکڑ کر نکلا
اُس سے ملنے کے لیے صورتِ سایہ گیا میں

ebooksgallery.com

تجھ سے کچھ کہنے کی ہمت ہی نہیں تھی ورنہ
ایک مدت تری دہلیز تک آیا گیا میں

خلوتِ خاص میں بلوانے سے پہلے تابشؔ
عام لوگوں میں بہت دیر بٹھایا گیا میں

○

مطلعِ خواب نہ یادوں کی دھنک ہے مجھ میں
یہ کوئی اور چمکتا ہوا شک ہے مجھ میں

اب مرے جسم کے اندر ہیں پر و بال مرے
جس پہ پرواز ہے میری وہ فلک ہے مجھ میں

میری آنکھیں ہی کسی دن مجھے لے بیٹھیں گی
ان کا پانی مری بنیاد تک ہے مجھ میں

راکھ ہو جائے گا تو بھی مرے نزدیک نہ آ
لبِ لعلیں! یہ کوئی اور بھڑک ہے مجھ میں

ebooksgallery.com

دل میں ہوتا تو یہ ممکن تھا نکل بھی جاتا
اب تو وہ شخص بہت دور تلک ہے مجھ میں

دل کسی ایک نتیجے پہ پہنچا چاہے
پچھلے کچھ دن سے بڑی چھان پھٹک ہے مجھ میں

میں نے اک ضد میں جسے چھوڑ دیا تھا تابش
اب بھی اُس شخص سے ملنے کی کسک ہے مجھ میں

○

سورج کا میرے حجرۂ غم میں گزر کہاں
لو دے اٹھی ہے رات وگرنہ سحر کہاں

میں خوش ہوں اپنی حسرتِ دیدار دیکھ کر
جو چاند مجھ میں ہے وہ کسی بام پر کہاں

کس گمشدہ خیال کی مجھ کو تلاش ہے
میں نے جلا رکھا ہے چراغِ ہنر کہاں

تیری طرح میں زود فراموش تو نہیں
پھر بھی رکھوں گا یاد تجھے عمر بھر کہاں

ebooksgallery.com

میرے لیے تو اپنے مقدر سے مت الجھ
میری کوئی لکیر ترے ہاتھ پر کہاں

مجھ سے مرا ستارۂ تقدیر تنگ ہے
مجھ گردشی کو سیلِ حوادث کا ڈر کہاں

میں وہ مکان ہوں جو گرا اندرون سے
ملبہ مرا ملے تمہیں بیرونِ در کہاں

بیٹھے ہو میرے سامنے جاری ہے گفتگو
لیکن چلے گئے ہو مجھے چھوڑ کر کہاں

دونوں جہان گم تھے تمہاری نگاہ میں
جاتا میں تم کو چھوڑ کے جاتا مگر کہاں

اے رنجِ بے دلی! ترے رہنے کے واسطے
دیوار و در کی شرط ہے دیوار و در کہاں

آتا ہے صحنِ باغ کی خلوت میں کون ہاتھ
جاتے ہیں میرے پیڑ کے برگ وثمر کہاں

میرے لیے تو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں
اپنا نہیں ہے خوف تو دنیا کا ڈر کہاں

یہ جاننے کو ان کا تعاقب کروں گا میں
یہ لوگ جا رہے ہیں مجھے چھوڑ کر کہاں

ebooksgallery.com

○

چاند نے جھک کے یہ پوچھا ہوگا
شہر برباد ترا کیا ہوگا

دور ایسا ہے کہ لحظہ لحظہ
سوچنا پڑتا ہے اب کیا ہوگا

یہ جو حالات ہوئے ہیں اپنے
ہم نے ایسا کبھی سوچا ہوگا

ہم یہاں جس کی سزا جھیلتے ہیں
وہ کہیں چین سے بیٹھا ہوگا

بوجھ وہ آن پڑا ہے دل پہ
شعر کہہ کر بھی نہ ہلکا ہوگا

اب کسی دُکھ میں نئی بات نہیں
اب اداسی کا سبب کیا ہوگا

چاند بھی سرخ ہے آنکھوں کی طرح
یہ کسی ظلم پہ رویا ہوگا

موت دستک نہیں دے کر آتی
یہ کوئی اور ہی آیا ہوگا

اور صورت ہی نہیں ہے کوئی
رونے والے تجھے رونا ہوگا

اے مجھے چھوڑ کے جانے والے
جنگ کے بعد تو ملنا ہوگا

وہم کو وہم سمجھنے والو
ایسا لگتا ہے کہ ایسا ہوگا

ebooksgallery.com

جو بھی ملتا ہے ترا پوچھتا ہے
اب مرا شہر سے جھگڑا ہوگا

میں تجھے مار کے مرنا چاہوں
تو کسی دن تو اکیلا ہوگا

خودکشی مجھ سے کرائی اس نے
یہ کہانی کا تقاضا ہوگا

میں جہاں ڈوب رہا ہوں لوگو
کل یہاں ایک جزیرہ ہوگا

سب کو ہجرت کی پڑی ہے تابش
اس گھڑی کون کسی کا ہوگا

○

آیا نہیں سخن میں وہ جانِ سخن تمام
اپنی طرف سے ہم نے کیے ہیں جتن تمام

اُس سے خیال میں بھی اگر ہم کلام ہوں
ہم خستگانِ عشق کی اُترے تھکن تمام

جو پھول مجھ میں ہے مرے باہر کہیں نہیں
میں گھوم پھر لیے ترے دشت و دمن تمام

اے خود سرانِ شہر تمہیں کچھ پتہ بھی ہے
خوش قامتی پہ اُس کی ہوا بانکپن تمام

ebooksgallery.com

تو دل کا پھول کس جگہ رکھے گی اے ہوا
بالفرض راکھ ہو گئی شاخِ بدن تمام

اب اس طرف کہیں بھی محبت کی بو نہیں
یاراں! وہ کیا ہوئے ہیں غزالِ ختن تمام

لب بستگانِ عشق ہیں سناٹے کی گونج
اک طرح بولتے ہیں ترے کم سخن تمام

اب شہر میں کوئی بھی پرندہ نہیں رہا
جانے کہاں گئے وہ غریب الوطن تمام

کچھ حوصلہ بھی چاہیے گریہ گزارِ عشق
آنکھوں سے بہہ نہ جائے لہو ہو بدن تمام

پھر کوئی لے کے آ گیا دامن کی دھجیاں
لگتا تھا مجھ پہ ہو چکا دیوانہ پن تمام

○

کچھ تعلق نہ رہے دشت و دمن سے اپنے
اس طرح بھی کوئی جاتا ہے وطن سے اپنے

بس یہی سوچ کے کچھ لوگ بھڑک اٹھتے ہیں
کیا مراسم ہیں غزالانِ ختن سے اپنے

خلوتِ ذات میں رہتے ہیں سمندر کی طرح
چاند نکلے تو نکلتے ہیں بدن سے اپنے

ہم نکال آئیں گے تالاب کی تہ سے اُس کو
چاند واقف ہی نہیں باولے پن سے اپنے

ebooksgallery.com

قفسا! پھر وہی ہونے کو ہے جو پہلے ہوا
پھر وہی آگ نکلتی ہے دہن سے اپنے

ہم کہ سوکھے ہوئے پتوں کی طرح ہیں تابش
جانے کس وقت نکل جائیں چمن سے اپنے

○

جمالِ خوش دکھاتا ہے اثر آہستہ آہستہ
اُترتا ہے دلوں میں وہ مگر آہستہ آہستہ

اچانک جو ملے اُس کو اچانک چھوڑ دیتا ہوں
مرے معیار پہ پورا اتر آہستہ آہستہ

تجھے جلدی تو ہوگی اے قیامت کی گھڑی لیکن
محبت کی طرح مجھ پر گزر آہستہ آہستہ

محبت ایک دم دُکھ کا مداوا کر نہیں دیتی
یہ تتلی بیٹھتی ہے زخم پر آہستہ آہستہ

ebooksgallery.com

پسِ ترکِ تعلق بھی اگر کوشش کرے کوئی
توجہ ہو ہی جاتی ہے اُدھر آہستہ آہستہ

میں اک دن میں نہیں پتھر سے پانی ہو گیا تابش
ملا ہے یہ مقامِ چشمِ تر آہستہ آہستہ

○

محفلِ شب سے نکل کر میں سحر میں رہ گیا
کن چراغوں کا دھواں میری نظر میں رہ گیا

کب سے بیٹھا ہے ہمارے صحن کی دیوار پر
یہ پرندہ ہے کہ پتھر بال و پر میں رہ گیا

میری تنہائی اسے اپنا بنا کر لے گئی
اور میں اُس سے بچھڑ جانے کے ڈر میں رہ گیا

طعنۂ منزل مجھے دینے سے پہلے سوچ لے
میں سفر میں رہ گیا یا ہم سفر میں رہ گیا

ebooksgallery.com

اپنی اپنی لاٹھیاں تو لے کے بھاگے یار لوگ
چاند ہی کٹ کر کسی اونچے شجر میں رہ گیا

انتظارِ یار میں اک میں ہی پتھرایا نہیں
ہو گیا دیوار جو اک رات در میں رہ گیا

میں اسے ڈھونڈا کیا اس شہر کی گلیوں کے بیچ
اور وہ اس دل میں گھر کر کے بھی گھر میں رہ گیا

میں بھی انشاء کی طرح ہنستا ہنساتا تھا بہت
ایک دن پھر یوں ہوا میں اس ہنر میں رہ گیا

اپنی سی تو کر رہے ہیں ہم فنا آمادگاں
بس وہی رہ جائے گا جو اُس نظر میں رہ گیا

○

ڈوب کر بھی نہ پڑا فرق گراں جانی میں
میں ہوں پتھر کی طرح بہتے ہوئے پانی میں

یہ محبت تو بہت بعد کا قصہ ہے میاں
میں نے اُس ہاتھ کو پکڑا تھا پریشانی میں

رفتگاں! تم نے عبث ڈھونگ رچایا ورنہ
عشق کو دخل نہیں موت کی ارزانی میں

یہ محبت بھی ولایت کی طرح رکھتی ہے
حالتِ حال میں یا حالتِ حیرانی میں

ebooksgallery.com

اس لیے جل کے کبھی راکھ نہیں ہوتا دل
یہ کبھی آگ میں ہوتا ہے کبھی پانی میں

اک محبت ہی پہ موقوف نہیں ہے تابشؔ
کچھ بڑے فیصلے ہو جاتے ہیں نادانی میں

○

وہ جو جگنوؤں کے تھے قافلے مری شام شام بنا گئے
انہیں چھو لیا تو چراغ سے مری پور پور میں آ گئے

مجھے آسمانِ خیال پر یہ جھلک سی کس کی دکھائی دی
کہ نواحِ جسم کے کاخ و کو مری روشنی میں نہا گئے

یہاں چشم بستۂ سنگ ہے نہ لہو نہ اس کی ترنگ ہے
میاں حادثوں کو دعائیں دو تمہیں دو گھڑی تو رُلا گئے

مرے نام ساری ملامتیں مرے نام ساری قیامتیں
کوئی پوچھتا نہیں آپ سے مجھے آپ کس لیے بھا گئے

ebooksgallery.com

یہ ترے خیال کے لوگ ہیں یہ بڑے کمال کے لوگ ہیں
ابھی پاؤں رکھنے کی جا نہ تھی ابھی خوابِ خوش میں سما گئے

سرِ راہ روک کے پوچھنا شرفاء کا شیوہ نہیں میاں
کبھی فرصتوں میں بتاؤں گا جو معاملے مجھے کھا گئے

○

مری عمرِ گزشتہ کا خسارہ پوچھتے ہیں
ملاقاتی نہ جانے کیوں تمہارا پوچھتے ہیں

بس اتنا سوچ لینا تم کہ اب یہ اہلِ دنیا
فقط میرا نہیں مجھ سے ہمارا پوچھتے ہیں

نہیں ہیں کم سماعت ہم گراں گوشانِ دنیا
یہ تم ہو اس لیے تم سے دوبارہ پوچھتے ہیں

ebooksgallery.com

انہیں مجھ سے نہیں میرے مقدر سے غرض ہے
وہ میرے نام سے پہلے ستارا پوچھتے ہیں

ہمارے عہد کے عشاق سے کیا بن پڑے گا
یہ کاروبار سے پہلے خسارا پوچھتے ہیں

○

کوئی رسہ گرے گا یا بدن اپنا اچھالوں گا
میں خود کو اس کنویں سے کس طرح باہر نکالوں گا

ہر اک سے یہ کہوں گا تُو محبت کرنے والا ہے
ترے بارے میں دنیا کو غلط فہمی میں ڈالوں گا

تمہارے ساتھ کرنے کی بہت سی اور باتیں ہیں
غزل کا کیا غزل تو میں پرندوں کو سنا لوں گا

ebooksgallery.com

نہیں ہے آتشیں اتنی بھی خوئے آتشیں میری
یہ بستی پھونک کر بھی میں تمہارا گھر بچا لوں گا

مجھے سر پھوڑنے کے واسطے دیوار دے یارب!
اگر میں بچ گیا تو میں کسی کو مار ڈالوں گا

○

تیرا ہو کر کوئی کب تیرے سوا ہوتا ہے
تو جو ہوتا ہے جدا کس سے جدا ہوتا ہے

حالتِ حال چھپائی نہیں جاتی اُس سے
جب کوئی شخص تجھے سوچ رہا ہوتا ہے

کر رہا ہوتا ہوں میں اُس سے محبت لیکن
دل اُسے پا کے کہیں کھو بھی چکا ہوتا ہے

کس طلب سے تری آنکھوں کی طرف دیکھتا ہوں
جب ترے غم کا نشہ ٹوٹ رہا ہوتا ہے

ebooksgallery.com

راستہ روکتی خلقت تجھے معلوم نہیں
عشق میں ہارا ہوا شخص بلا ہوتا ہے

یوں ترے شہر میں گھبرایا ہوا پھرتا ہوں
جس طرح پہلے پہل عشق ہوا ہوتا ہے

کیا ستم ہے کہ لگاتا ہوں ترے نام وہ شعر
جو کسی اور کے ہجراں میں کہا ہوتا ہے

میں دلاتا ہوں یقیں اور کسی کو لیکن
دل کسی اور کے قدموں میں پڑا ہوتا ہے

کسی بے کس کا سہارا نہیں بنتی دنیا
اس کا ہوتا ہے کوئی جس کا خدا ہوتا ہے

لاکھ اڑاتا ہوا نکلے کوئی شہرت کا غبار
جو بھی ہوتا ہے ہوا میں وہ ہوا ہوتا ہے

وصیؔ بے لفظ سمجھ میں نہیں آنے والی
ورنہ طوفان کا چڑیوں کو پتہ ہوتا ہے

○

قہوہ خانے میں دھواں بن کے سمائے ہوئے لوگ
جانے کس دھن میں سلگتے ہیں بجھائے ہوئے لوگ

تو بھی چاہے تو نہ چھوڑیں گے حکومت دل کی
ہم ہیں مسند پہ ترے غم کی بٹھائے ہوئے لوگ

اپنا مقسوم ہے گلیوں کی ہوا ہو جانا
یار ہم ہیں کسی محفل کے اٹھائے ہوئے لوگ

آنکھ نے بور اٹھایا ہے درختوں کی طرح
یاد آتے ہیں اسی رت میں بھلائے ہوئے لوگ

ebooksgallery.com

شکل تو شکل مجھے نام بھی اب یاد نہیں
ہائے وہ لوگ وہ اعصاب پہ چھائے ہوئے لوگ

حاکمِ شہر کو معلوم ہوا ہے تابش
جمع ہوتے ہیں کہیں چند ستائے ہوئے لوگ

○

یوں ہی ممکن ہے یہ وقت آنکھ میں پانی ہو جائے
رات لمبی ہے بہت کوئی کہانی ہو جائے

تُو تو پھر تُو ہے اگر اس سے ہٹا لوں نظریں
ایک پل میں تری تصویر پرانی ہو جائے

یارِ یاراں! تجھے کیا یاد کریں گے ہم بھی
نہ سہی عشق مگر کوئی نشانی ہو جائے

شعر ہوتے ہیں نہ روتے ہیں نہ مل بیٹھتے ہیں
کس طرح ختم طبیعت کی گرانی ہو جائے

ebooksgallery.com

اب تو اس خوف سے میں اذنِ تکلم چاہوں
میرے دل میں نہ مری بات پرائی ہو جائے

اپنے کمرے کے میں پردے ہی ہٹا دوں تابشؔ
یوں ہی ممکن ہے مری شام سہانی ہو جائے

○

بیٹھتا اٹھتا تھا میں یاروں کے بیچ
ہو گیا دیوار دیواروں کے بیچ

جانتا ہوں کیسے ہوتی ہے سحر
زندگی کاٹی ہے بیماروں کے بیچ

میرے اس کوشش میں بازو کٹ گئے
چاہتا تھا صلح تلواروں کے بیچ

وہ جو میرے گھر میں ہوتا تھا کبھی
اب وہ سناٹا ہے بازاروں کے بیچ

ebooksgallery.com

تم نے چھوڑا تو مجھے یہ طائراں
بھر کے لے جائیں گے منقاروں کے بیچ

تجھ کو بھی اس کا کوئی احساس ہے
تیری خاطر ٹھن گئی یاروں کے بیچ

○

جوڑ لوں گا یہ جو دل ٹوٹا ہوا رکھتا ہوں میں
اپنے ہر انجام میں اک ابتدا رکھتا ہوں میں

اب تو جیسے عشق کرنا نوکری کرنا ہوا
پوچھتے ہیں اس میں کتنا تجربہ رکھتا ہوں میں

خلعتِ رسوائی ہو یا تہمتِ زندہ دلی
جو بھی ملتا ہے ترے قدموں میں لا رکھتا ہوں میں

آئینے کی طرح سب پر ایک دم کھلتا نہیں
کوئی دن تک اجنبیت کی فضا رکھتا ہوں

ebooksgallery.com

کچھ تو اُس کا دل بھی مائل ہے میاں میری طرف
اور کچھ کوشش سے اُس کو مبتلا رکھتا ہوں میں

مسئلہ ہے بھی اگر تو بے زبانی کا نہیں
اس لیے خاموش ہوں خوفِ خدا رکھتا ہوں میں

یہ بھی کوئی پائمالی ہے کہ مثلِ آئینہ
کرچی کرچی ہو کے بھی نوکِ انا رکھتا ہوں میں

جیسے طوفاں میں پرندوں سے بھرا ساحل کوئی
بے نوا ہوں اور کتنے ہم نوا رکھتا ہوں میں

میرا زور و زر نہ پوچھو میری صورت پر نہ جاؤ
عشق کرتا ہوں تو اس کا حوصلہ رکھتا ہوں میں

میرا نقشِ پا ہے تابشؔ میرے ہونے کا ثبوت
ایک جب رہتا نہیں تو دوسرا رکھتا ہوں میں

○

کہیں خوشبو کہیں جگنو کہیں مَیں تُو نکلتے ہیں
بہت بکھرے ہوئے لیکن بہت یکسو نکلتے ہیں

اسی خاطر زمانے سے بنی بھی ہے ٹھنی بھی ہے
کہ اس سے کچھ مزاجِ یار کے پہلو نکلتے ہیں

ہم اپنے اپنے گھر سے یوں نکل آئے محبت میں
کہ جیسے شدّتِ جذبات میں آنسو نکلتے ہیں

ہمیں تو ہجر کی رت بھی ہے کوئی بانس کا جنگل
اندھیرے میں اس آدم خور کے بازو نکلتے ہیں

ebooksgallery.com

اذیت سے نکلنے میں اذیت اور بڑھتی ہے
یہ آنکھیں ساتھ جاتی ہیں اگر آنسو نکلتے ہیں

یقیناً بھینچ رکھا ہے کسی نے میرا دل تابش
وگرنہ بند مٹھی سے کہاں جگنو نکلتے ہیں

○

شکستگی مری تقدیر کرنا چاہتے ہیں
عجیب دکھ ہیں مجھے میر کرنا چاہتے ہیں

لہو لہو ہیں مگر آخری بیان اپنا
ہم اپنے ہاتھ سے تحریر کرنا چاہتے ہیں

ہمارے بعد کوئی اس گلی میں کیوں آئے
ہم اس کو جادۂ شمشیر کرنا چاہتے ہیں

پہنچنا بھی ہے انہیں منزلِ محبت پر
قیام بھی ترے رہ گیر کرنا چاہتے ہیں

ebooksgallery.com

اسی لیے ہے ہواؤں سے دوستی اپنی
ہم اپنے درد کی تشہیر کرنا چاہتے ہیں

اگر نصیب میں ہوگا تو مل رہیں گے کبھی
نہ ہم نے کی ہے نہ تدبیر کرنا چاہتے ہیں

○

یہاں کے عہدہ و منصب قبول کرتے ہوئے
میں تجھ کو بھول گیا تھا یہ بھول کرتے ہوئے

اب اور کتنا جیوں فتح کی امید کے ساتھ
کہ تھک گیا ہوں میں لاشے وصول کرتے ہوئے

کہ جیسے آندھیاں بارش کو ساتھ لاتی ہیں
وہ رو پڑا مجھے قدموں کی دھول کرتے ہوئے

ebooksgallery.com

اب اُس کو یاد بھی کرتا ہوں پوچھ کر اُس سے
یہ نوبت آئی ہے شرطیں قبول کرتے ہوئے

گناہِ زندہ دلی کی سزا پہ یاد آیا
میں کتنا خوش تھا کسی کو ملول کرتے ہوئے

○

اب پرندوں کی یہاں نقل مکانی کم ہے
ہم ہیں جس جھیل پہ اُس جھیل میں پانی کم ہے

یہ جو میں بھاگتا ہوں وقت سے آگے آگے
میری وحشت کے مطابق یہ روانی کم ہے

دے مجھے انجم و مہتاب سے آگے کی خبر
مجھ سے فانی کے لیے عالمِ فانی کم ہے

غم کی تلخی مجھے نشہ نہیں ہونے دیتی
یہ غلط ہے کہ تری چیز پرانی کم ہے

ebooksgallery.com

غیب کے باغ کا وہ بھید کھلا ہے مجھ پہ
جس کا ابلاغ پرندوں کی زبانی کم ہے

ہجر کو حوصلہ اور وصل کو فرصت درکار
اک محبت کے لیے ایک جوانی کم ہے

اتنا مشکل تو نہ تھا گمشدگاں کا ملنا
ہم نے اے دشت تری خاک ہی چھانی کم ہے

اس سے موت کی خوشبو کے مقابل تابش
کسی آنگن میں کھلی رات کی رانی کم ہے

○

یوں ہی پہچان کی ذلت سے نکل کر دیکھوں
نام تبدیل کروں شکل بدل کر دیکھوں

اور کچھ دیر کو رہ جائے مرا نام و نشاں
میں بھی سورج کی طرح چاند میں ڈھل کر دیکھوں

ہو بھی سکتا ہے کنارے پہ کھڑا ہو کوئی
ڈوبتے ڈوبتے اک بار اُچھل کر دیکھوں

دھیان اپنا تو نہیں آتا ترے دھیان کے وقت
آزمائش کے لیے آگ پہ چل کر دیکھوں

ebooksgallery.com

کیا ضروری ہے محبت میں حسد کا ہونا
کیوں ترا حسن ترے حسن سے جل کر دیکھوں

کیوں نظر آنے کی خواہش میں گنوا لوں خود کو
کیوں ستارے کی طرح دن میں نکل کر دیکھوں

کیا ضرورت مجھے کشتی کے سفر کی تابش
چلنا آتا ہو تو پانی پہ نہ چل کر دیکھوں

○

دیکھیے سخت کشاں! ہجرت ابھی واجب نہیں
یہ ہمارا شہر ہے شعبِ ابی طالب نہیں

میں کوئی شاخِ شکستہ اور تو ہے اس کی ٹیک
یار اپنا سلسلہ یک جان دو قالب نہیں

لیکن اتنا دھیان رکھنا میں پرندوں کی طرح
تم پہ اپنا حق جتاتا ہوں مگر غاصب نہیں

ebooksgallery.com

میں کسی کو بھی نہیں دیتا ترس کھانے کا حق
میں محبت مانگتا ہوں رحم کا طالب نہیں

کیسے کہہ سکتا ہوں دل کے کس طرف ہے کیا طلسم
یہ وہ در ہے جو ابھی کھلتا کسی جانب نہیں

○

کیا کہوں اُس نے تجھے کتنا حسیں پیدا کیا
تجھ کو پیدا کر کے پھر تجھ سا نہیں پیدا کیا

کس لیے دل تنگ ہے تُو مجمعِ عشاق سے
شکر کر تجھ کو خدا نے دل نشیں پیدا کیا

خاک مجنوں تھم گئی اور مر گئی حیرت تمام
یاالٰہی تو نے کیوں محمل نشیں پیدا کیا

زندگی بھر چاہے جانے کی اذیت سے گزر
پیدا کرنے والے نے تجھ کو حسیں پیدا کیا

ebooksgallery.com

پیدا کر کے بھی ہمیں خودسار رکھا اُس ذات نے
اس طرح پیدا کیا جیسے نہیں پیدا کیا

دوست! تم نے گر میسر ہی نہ آنا تھا مجھے
میرے دل میں کس لیے اتنا یقیں پیدا کیا

○

جب رہائی کی یہی تدبیر باقی رہ گئی
پاؤں مٹی ہو گئے زنجیر باقی رہ گئی

بہہ گئے ہم زندگی کے مختلف دھاروں کے ساتھ
جس میں ہم دونوں تھے وہ تصویر باقی رہ گئی

اب بلا بھیجا ہے اس کو اے دلِ عجلت پسند
جب یہاں تاخیر ہی تاخیر باقی رہ گئی

غلغلہ وارفتگانِ عشق کا ہوتا تھا یاں
اب تو اِک مجلس بیادِ میرؔ باقی رہ گئی

ebooksgallery.com

○

شہر گریہ کے مکینوں کی طرح سوچتے ہیں
ہم بھی اُن سوچتی آنکھوں کی طرح سوچتے ہیں

ہم بھی کہتے ہیں کہ سب کچھ ہے ہمارے دم سے
ہم بھی گزرے ہوئے لوگوں کی طرح سوچتے ہیں

تیرے ہاتھوں سے کسی دن نہ جھپٹ لیں تجھ کو
ہم محبت میں غریبوں کی طرح سوچتے ہیں

یہ میاں اہلِ محبت ہیں انہیں کچھ نہ کہو
یہ بڑے لوگ ہیں بچوں کی طرح سوچتے ہیں

○

یوں خود سے الگ سایۂ دیوار میں رہتا
میں دشت میں اور دھیان مرا یار میں رہتا

ٹہنی کی طرح میں بھی کھلا لیتا اگر پھول
وہ حسن تو پھر پردۂ اظہار میں رہتا

یہ حجرۂ گلرنگ تو رہنے کی جگہ ہے
وہ آ ہی گیا تھا تو دلِ زار میں رہتا

ہنگامۂ دنیا سے جو فرصت مجھے ملتی
صحرا کے غزالانِ طرح دار میں رہتا

ebooksgallery.com

پاگل کیے رکھتی تھی کوئی دور کی آواز
کتنا میں ترے حسن کی بیگار میں رہتا

اک چاند کنارے پہ تھا اک چاند تھا تہہ میں
میں کس کی خوشی کے لیے منجدھار میں رہتا

رکھا نہ کہیں کا سرِ تسلیم نے مجھ کو
اچھا تھا اُسی حالت انکار میں رہتا

لاتا نہ اگر اشک تباہی مرے گھر کی
یہ سیل کہاں جسم کی دیوار میں رہتا

چہرے پہ لہو مل کے اُبھارے گئے جذبات
حالانکہ بھرم زردیِ رخسار میں رہتا

دل ہی نہ لگا معرکۂ خاک میں ورنہ
میں اپنا بدن چھوڑ کے تلوار میں رہتا

میں تخت نہیں چھوڑا میاں اپنی خوشی سے
دربار جو رہتا تو میں دربار میں رہتا

○

لوٹ جائیں یا ترا پیچھا کریں
ہر قدم پہ سوچتے ہیں کیا کریں

یا ہماری تلخ باتوں کو سہار
یا بتا دے کس سے ہم جھگڑا کریں

ڈھونڈتے تو ہم بھی ہیں راہِ فرار
سوچتے تو ہم بھی ہیں اب کیا کریں

ایک مدت ہو گئی روئے ہوئے
یار مجلس ہی کوئی برپا کریں

ebooksgallery.com

اپنی مرضی سے گزاریں زندگی
دن میں سوئیں رات کو جاگا کریں

چھوڑنے کو چھوڑ دیں دنیا مگر
اتنے سارے دوستوں کا کیا کریں

شہر کو شور قیامت چاہیے
یار یہ دو چار چڑیاں کیا کریں

آپ کو آخر یہ حق کس نے دیا
آپ اہلِ دل کو کیوں رُسوا کریں

آپ نے تو پھر بہایا خونِ خلق
ہم اگر غصے میں آئیں کیا کریں

شاخ سے کیوں توڑ لیں تازہ گلاب
کیوں کسی تتلی کا حق مارا کریں

تم مکمل بات پر خاموش ہو
لوگ تو پورا مرا جملہ کریں

بس نہیں چلتا زمانے پر اگر
بال ہیں سر پر انہیں نوچا کریں

یہ سمندر تو اُگل دیتا ہے لاش
قصد کرنا ہے تو صحرا کا کریں

قیس مل جائے تو پوچھیں مرشدا
عشق کرنا چھوڑ دیں ہم یا کریں

ebooksgallery.com

○

یوں بھی عذابِ ہجر سے میں نے گزر کیا
شب کی بجائے میرؔ کا مصرعہ بسر کیا

تیری گلی سے تیری گلی تک تھی زندگی
میں نے ہی اِس سفر کو سفر در سفر کیا

میں بے وفا ہوں مجھ کو گریبان سے پکڑ
اور مجھ سے پوچھ میں نے ترا غم کدھر کیا

مجھ سے رہا نہیں گیا دریا کو دیکھ کر
میں نے زبان پھیر کے ہونٹوں کو تر کیا

○

مر مر کے جیے جانے کی مشکل نہیں سمجھا
فرہاد سا بزدل بھی غمِ دل نہیں سمجھا

بس میری محبت سے غرض رکھی ہے اُس نے
وہ شخص مرے اور مسائل نہیں سمجھا

نفرت کبھی ہوتی ہے کبھی اُس سے محبت
دل اُس سے تعلق کے مراحل نہیں سمجھا

یہ زندگی تہمت ہے مگر میرا بڑا پن
میں نے اسے تردید کے قابل نہیں سمجھا

ebooksgallery.com

وہ کام ہوا بھی تو نہ ہونے کے برابر
جس کام میں ہم نے اُسے شامل نہیں سمجھا

اُس شخص کو کس چیز سے محروم کرو گے
حاصل کو بھی جس نے کبھی حاصل نہیں سمجھا

جس نے بھی کیا ہے اسے رسوا ہی کیا ہے
جز میرؔ کوئی منزلتِ دل نہیں سمجھا

اُس نے بھی مجھے چھوڑ دیا راہ میں تابشؔ
میں نے بھی اُسے عمر کا حاصل نہیں سمجھا

○

یہ دل تو روز سرِ چشمِ تر چلا جائے
معاملہ نہ اِدھر کا اُدھر چلا جائے

لگا تو رکھا ہے اس دل کو اور کاموں میں
تری طرف نہ کہیں بھول کر چلا جائے

میں تجھ سے تنگ بھی ہوں اور یہ بھی چاہتا ہوں
کہ تجھ سے ربط یونہی عمر بھر چلا جائے

یہی ہے جنگ کا موسم یہی محبت کا
کشش تو دونوں طرف ہے کدھر چلا جائے

ebooksgallery.com

تباہ ہو گئی دنیا بھی اہلِ دنیا بھی
چکور کہتا رہا چاند پر چلا جائے

اگر یقین نہ ہو اُس کو تیرے ملنے کا
تو قیس شام سے پہلے ہی گھر چلا جائے

تو میرے دُکھ کو زمانے پہ منکشف کر دے
یہ بے خبر نہ یونہی بے خبر چلا جائے

یہ میرا گھر ہے سدھارتھ کی سلطنت تو نہیں
اگر میں گھر سے چلا جاؤں گھر چلا جائے

○

تو پرندے مار دے سرو وصنوبر مار دے
تیری مرضی جس کو وحشت گرد کہہ کر مار دے

تیرا اُس کے ماننے والوں سے پالا پڑ گیا
جو پرندے بھیج کر لشکر کے لشکر مار دے

تم بھی موسیٰ کے تعاقب میں چلے تو آئے ہو
دیکھنا تم کو نہ یہ نیلا سمندر مار دے

تو نے جس کے ڈھونڈنے کو بھیج دی اتنی سپاہ
یہ نہ ہو وہ تجھ کو تیرے گھر کے اندر مار دے

ebooksgallery.com

اُس کو کیا حق ہے یہاں بارود کی بارش کرے
اُس کو کیا حق ہے مرے رنگلے کبوتر مار دے

فیصلے تاریخ کے میدان میں ہوتے نہیں
مارنے والو! کوئی تم کو نہ مر کر مار دے

روشنی کے واسطے پندار کا سودا نہ کر
سامنے سورج بھی ہے تو اُس کو ٹھوکر مار دے

گونج تو بھی اس کے لہجے میں پہاڑوں کی طرح
تابش اُس کی بات تو بھی اُس کے منہ پر مار دے

○

یاد بھی آئی سمندر کی ہوا بھی آئی
ہوش کے ساتھ کوئی ہوشربا بھی آئی

دل کی ضد تھی کہ اُسے دور سے چاہا جائے
اور تنہائی اُسے ہاتھ لگا بھی آئی

میرے اطراف میں رات ایسی بلا کی چپ تھی
پھول ٹوٹا تو مجھے اُس کی صدا بھی آئی

میں ابھی سوچ رہا تھا کہ کھلوں یا نہ کھلوں
میری چپ جا کے اسے بھید بتا بھی آئی

ebooksgallery.com

میں نے اب تک نہیں دنیا کو مقابل جانا
اپنی دانست میں وہ مجھ کو گرا بھی آئی

حسنِ محبوب تری ایک جھلک کی خاطر
اک پیمبرؑ ہی نہیں خلقِ خدا بھی آئی

○

تم دل کو کبھی گھر کے دریچے میں نہ رکھنا
لیکن مجھے اے دوست اندھیرے میں نہ رکھنا

یہ کوہِ گراں اور یہ چھالے مجھے منظور
لیکن مرے مولا مجھے رستے میں نہ رکھنا

ہو جاؤ گے تم بھی اسی خوشبو کے گرفتار
تم لوگ قدم بھی مرے حجرے میں نہ رکھنا

ebooksgallery.com

نکلی جو مری بات تو پہنچے گی بہت دور
مولا مرے دکھ کو مرے لہجے میں نہ رکھنا

ہم لوگ تری چپ بھی کہاں جھیل سکے ہیں
اس پہنچے ہوئے تیر کو جملے میں نہ رکھنا

○

نیند آتے ہی مجھے اس کو گزر جانا ہے
وہ مسافر ہے جسے میں نے شجر جانا ہے

چاند کے ساتھ بہت دور نکل آیا تھا
اب کھڑا سوچتا ہوں میں نے کدھر جانا ہے

اس کو کہتے ہیں ترے شہر سے ہجرت کرنا
گھر پہنچ کر بھی یہ لگتا ہے کہ گھر جانا ہے

ebooksgallery.com

بس یہ کہنا تھا مجھے چھوڑ کے جانے والو
ڈار سے بچھڑی ہوئی کونج نے مر جانا ہے

گر نہ باز آیا مجھے بار سمجھنے والا
میں نے چلتی ہوئی کشتی سے اتر جانا ہے

○

مسئلے عشق کے طے کرتا ہے شمشیر کے ساتھ
اور نسبت وہ بتاتا ہے غمِ میر کے ساتھ

وہ مرے ساتھ نہیں اور مرے ساتھ بھی ہے
جس طرح چاند کا رشتہ کسی رہگیر کے ساتھ

پیچھے ہٹتا ہوں تو دنیا نہیں جینے دیتی
آگے بڑھتا ہوں تو بنتی نہیں تقدیر کے ساتھ

یہ کوئی کم ہے کہ جی بھر کے رلاتے ہو مجھے
اس سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں دلگیر کے ساتھ

ebooksgallery.com

میری مانو تو محبت میں سیاست نہ کرو
عشق کے کام نکلتے نہیں تدبیر کے ساتھ

دور سے دیکھ کے آہیں نہ بھرا کر تابش
چاند سے دوستی کر خواہشِ تسخیر کے ساتھ

○

چاند کو ہم جو سرِ نخلِ گماں جانتے ہیں
کچھ ہوا زاد اسے تصویرِ خزاں جانتے ہیں

کیسے ہاتھوں سے نکل جاتی ہے ہاتھوں کی تراش
اس اذیت کو فقط کوزہ گراں جانتے ہیں

کس جگہ ہم نے نہیں ٹوٹنے دینا ترا دل
کس جگہ ہم نے بدلنا ہے بیاں جانتے ہیں

ebooksgallery.com

ہم جو اٹھتے ہوئے ہاتھوں پہ اٹھاتے نہیں ہاتھ
کیا کریں صرف محبت کی زباں جانتے ہیں

اور تو جانتے کیا ہیں رہا گالی دینا
گالی دینا بھی مرے یار کہاں جانتے ہیں

○

چاند نکلے اور اس کی عزت افزائی نہ ہو
کیسے ممکن ہے نگر میں کوئی سودائی نہ ہو

جو نہیں مجھ سے ملا وہ بھی سمجھتا ہے مجھے
اے محبت کے خدا اتنی بھی رسوائی نہ ہو

یوں ہی تجھ سے معذرت کرنے کو جی چاہے مرا
کوئی ایسی بات جو تجھ کو پسند آئی نہ ہو

ebooksgallery.com

جس کو اپنے بازوؤں میں بھر کے خوش بیٹھا ہوں میں
یاالٰہی! یہ مرا احساسِ تنہائی نہ ہو

یوں نہ ہو تابش میں اپنے آپ سے جاتا رہوں
ہو پذیرائی مگر اتنی پذیرائی نہ ہو

○

جب اپنی اپنی محرومی سے ڈر جاتے تھے ہم دونوں
کسی گہری اُداسی میں اُتر جاتے تھے ہم دونوں

بہارِ شوق میں بادِ خزاں آثار چلتی تھی
شگفتِ گل کے موسم میں بکھر جاتے تھے ہم دونوں

تمہارے شہر کے چاروں طرف پانی ہی پانی تھا
وہی اک جھیل ہوتی تھی جدھر جاتے تھے ہم دونوں

سنہری مچھلیاں، مہتاب اور کشتی کے اندر ہم
یہ منظر گم تھا پھر بھی جھیل پر جاتے تھے ہم دونوں

ebooksgallery.com

زمستاں کی ہواؤں میں فقط جسموں کے خیمے تھے
دبک جاتے تھے ان میں جب ٹھٹھر جاتے تھے ہم دونوں

عجب اک بے یقینی میں گزرتی تھی کنارے پر
ٹھہرتے تھے نہ اُٹھ کے اپنے گھر جاتے تھے ہم دونوں

بہت سا وقت لگ جاتا تھا خود کو جمع کرنے میں
ذرا سی بات پر کتنا بکھر جاتے تھے ہم دونوں

کہیں جانا نہیں تھا اس لئے آہستہ رو تھے ہم
ذرا سا فاصلہ کر کے ٹھہر جاتے تھے ہم دونوں

زمانہ دیکھتا رہتا تھا ہم کو چور آنکھوں سے
نہ جانے کن خیالوں میں گزر جاتے تھے ہم دونوں

بس اتنا یاد ہے پہلی محبت کا سفر تھا وہ
بس اتنا یاد ہے شام و سحر جاتے تھے ہم دونوں

حدودِ خواب سے آگے ہمارا کون رہتا تھا
حدودِ خواب سے آگے کدھر جاتے تھے ہم دونوں

○

وہ چاند ہو کہ چاند سا چہرہ کوئی تو ہو
ان کھڑکیوں کے پار تماشا کوئی نہ ہو

لوگو! اسی گلی میں مری عمر کٹ گئی
مجھ کو گلی میں جاننے والا کوئی تو ہو

مجھ کو تو اپنی ذات کا اثبات چاہئے
ہوتا ہے اور میرے علاوہ کوئی تو ہو

جس سمت جایئے وہی دریا ہے سامنے
اس شہر سے فرار کا رستہ کوئی تو ہو

ebooksgallery.com

اپنے سوا بھی میں کوئی آواز سن سکوں
وہ برگِ خشک ہو کہ پرندہ کوئی تو ہو

یوں ہی خیال آتا ہے بانہوں کو دیکھ کر
ان ٹہنیوں پہ جھولنے والا کوئی تو ہو

ہم اِس اُدھیڑ بن میں محبت نہ کر سکے
ایسا کوئی نہیں مگر ایسا کوئی تو ہو

مشکل نہیں ہے عشق کا میدان مارنا
لیکن ہماری طرح نہتا کوئی تو ہو

○

آنکھ پہ پٹی باندھ کے مجھ کو تنہا چھوڑ دیا ہے
یہ کس نے صحرا میں لا کر صحرا چھوڑ دیا ہے

جسم کی بوری سے باہر بھی کبھی نکل آؤں گا
ابھی تو اس پر خوش ہوں اس نے زندہ چھوڑ دیا ہے

ذہن مرا آزاد ہے لیکن دل کا دل مٹھی میں
آدھا اُس نے قید رکھا ہے آدھا چھوڑ دیا ہے

ebooksgallery.com

جہاں دعا ملتی تھی اللہ جوڑی سلامت رکھے
میں نے تیرے بعد اُدھر سے گزرنا چھوڑ دیا ہے

چاروں شانے چت مٹی پر گرا پڑا ہوں تابش
جانے کس نے دوسری جانب رسہ چھوڑ دیا ہے

○

چھونے میں لطف ہے نہ اُسے دیکھنے میں ہے
یارب! یہ کیسی آگ مرے آئینے میں ہے

میں اس جگہ لڑائی کی خاطر نہیں رُکا
میرا قیام اور کسی سلسلے میں ہے

جس نے کیا کلام لہو میں نہا گیا
یاراں! تمام لطف اُسے سوچنے میں ہے

کیا ہم جنازہ گاہ میں ہی جمع ہوں گے دوست
کیا اتفاق شہر کسی سانحے میں ہے

ebooksgallery.com

اے شہر یار! شہر کو کم حوصلہ نہ جان
جو حوصلے میں ہے وہ بڑے حوصلے میں ہے

میرا بھرم ہی رکھتا اُسے چھوڑ کر اے دوست
دنیا سمجھ رہی تھی تو میرے کہے میں ہے

○

خیال و خواب و خبر کے لیے سلام و دعا
لواحقینِ ہنر کے لیے سلام و دعا

ہوائے تیز کی خاطر پیامِ خندۂ لب
چراغِ راہ گزر کے لئے سلام و دعا

فصیلِ شہر پہ ہم تم نہیں رہے نہ سہی
دوامِ نقشِ دگر کے لیے سلام و دعا

چلیں کوئی تو مجھے ڈوبتے بھی دیکھے گا
کنارہ گیر شجر کے لیے سلام و دعا

ebooksgallery.com

وہ ہجرتی تو وہاں سے چلے گئے ہوں گے
اجاڑ قریہ و در کے لیے سلام و دعا

سنا ہے شہر میں غارت گروں کی آمد ہے
تمام اہلِ ہنر کے لئے سلام و دعا

○

مٹی کی محبت میں گرفتار پرندے
جاتے نہیں دیکھے کبھی اُس پار پرندے

خالی نہیں رہتا دلِ درویش کا ڈیرہ
حجرے میں پڑے رہتے ہیں دو چار پرندے

یہ باغ ہمارے لئے ہوتا تھا مگر اب
کرتے ہیں یہاں عشق کا بیوپار پرندے

ebooksgallery.com

کیا میں بھی درختوں میں درختوں کی طرح ہوں
کیوں مجھ پہ اتر آتے ہیں ہر بار پرندے

یہ شہر سے باہر کا کوئی خواب ہے تابش
یہ جھیل پہ اُڑتے ہوئے دو چار پرندے

○

کب چاند سرِ فلک رہا ہے
آہو سا کوئی بھٹک رہا ہے

دل ہی سے نہ جھانکتا ہو کوئی
غرفے سے تو چاند تک رہا ہے

دل مور نہ تھا کوئی کہ اڑتا
آنسو تھا پلک پلک رہا ہے

اُس ہاتھ کا لمس بھی عجب تھا
اب تک یہ بدن دہک رہا ہے

ebooksgallery.com

بارش کی عنایتوں کا موسم
انگور کی بیل تک رہا ہے

پانی پہ جھکا ہوا پرندہ
تالاب سے چاند اُچک رہا ہے

کہسار پہ ڈھل رہا ہے سورج
رخسار پہ دل ڈھلک رہا ہے

دنیا سے تھیں دل لگی کی باتیں
ویسے تو مری للک رہا ہے

دل کو بھی جھپٹ لیا کسی نے
لقمہ بھی کوئی اُچک رہا ہے

کیونکر نہ اُبال آئے ہم کو
ہنڈیا میں دماغ پک رہا ہے

○

خمارِ خواب نہ رقصِ وصال ہے بابا
میں پھر بھی ہوں تو یہ میرا کمال ہے بابا

سہار رکھا ہے اس کو بدن کی ٹیک سے میں
یہ زندگی تو شکستہ سی ڈال ہے بابا

''نہ جانے آپ وہ مستِ جمال کیا ہوگا''
کہ جس کو سوچ کے اپنا یہ حال ہے بابا

بے اختیاریٔ دل اُس کے اختیار میں ہے
میں اُس کا دم نہ بھروں یہ مجال ہے بابا

ebooksgallery.com

میں اس کو جھیل میں دیکھوں کہ دشت میں ڈھونڈوں
وہ شب کو چاند ہے دن کو غزال ہے بابا

میں باغ جاؤں تو مجھ سے پرند پوچھتے ہیں
تمہارا بھی کوئی پرسانِ حال ہے بابا

○

دم میں جی اٹھنا مرا دم میں فنا ہو جانا
اُس کو جا کر بھی نہیں آیا جدا ہو جانا

اُس کو آتا ہے مجھے سب کے مقابل لا کر
جب کوئی ہاتھ اٹھے میری جگہ ہو جانا

یہ ترے ساتھ نہ ہونے کی تلافی تو نہیں
بیٹھے بیٹھے یہ مرا آبلہ پا ہو جانا

ebooksgallery.com

تم نے تو اہل جہاں صرف سنی ہیں باتیں
میں نے دیکھا ہے کسی بت کا خدا ہو جانا

تم اچانک ہی ملے اور اچانک ہی گئے
اس کو کہتے ہیں مقدر کا لکھا ہو جانا

○

پاؤں پڑتا ہوا رستہ نہیں دیکھا جاتا
جانے والے ترا جانا نہیں دیکھا جاتا

تیری مرضی ہے جدھر انگلی پکڑ کر لے جا
مجھ سے اب تیرے علاوہ نہیں دیکھا جاتا

یہ حسد ہے کہ محبت کی اجارہ داری
درمیاں اپنا بھی سایہ نہیں دیکھا جاتا

تو بھی اے شخص کہاں تک مجھے برداشت کرے
بار بار ایک ہی چہرہ نہیں دیکھا جاتا

ebooksgallery.com

یہ ترے چاہنے والے بھی عجب ہیں جاناں
عشق کرتے ہیں کہ ہوتا نہیں دیکھا جاتا

یہ ترے بعد کھلا ہے کہ جدائی کیا ہے
مجھ سے اب کوئی اکیلا نہیں دیکھا جاتا

○

اس شہر میں ٹھہرنے کا ڈھونڈیں بہانہ کیا
جب تو ہے بے کشش تو غمِ آب و دانہ کیا

تہمت گرانِ شہر کا حسنِ تضاد دیکھ
جب میں ہی کچھ نہیں ہوں تو میرا فسانہ کیا

کہتے تھے آپ کون ہو سو میں کوئی نہیں
اب دیکھیے وہ کرتے ہیں تازہ بہانہ کیا

اس سلسلے میں آپ کوئی سانپ ڈھونڈیے
مجھ سا فقیر لے کے کرے گا خزانہ کیا

ebooksgallery.com

کہنے کو کہہ تو دوں کہ مجھے تم سے عشق ہے
مجھ سے روا رکھے گی یہ خلق خدا نہ کیا

پٹڑی سے لوٹ آیا ہوں اُس کی تلاش میں
شکرِ خدا کہ ذہن میں آیا بہانہ کیا

○

یاد کر کر کے اُسے وقت گزارا جائے
کس کو فرصت ہے وہاں کون دوبارہ آ جائے

شک سا ہوتا ہے ہر اک پہ کہ کہیں تو ہی نہ ہو
اب ترے نام سے کس کس کو پکارا جائے

سائرہ تجھ کو بہت یاد ہیں اُس کی باتیں
کیوں نہ کچھ وقت ترے ساتھ گزارا جائے

جس طرح پیڑ کو بڑھنے نہیں دیتی کوئی بیل
کیا ضروری ہے مجھے گھیر کے مارا جائے

ebooksgallery.com

عین ممکن ہے کہ ہو اس سے علاجِ وحشت
شہر میں زور سے اک نام پکارا جائے

اُس حسیں شخص کی خاطر جو کہا ہے تابش
کم ہے اُس شعر کو جتنا بھی سنوارا جائے

○

گھر میں رہ کر بھی مرے گھر کا مقفل ہونا
اس سے ثابت ہے مرا خوف سے پاگل ہونا

گفتگو کرتے ہوئے پھول کھلانا لیکن
عالمِ ذات میں جلتا ہوا جنگل ہونا

شامِ ہجراں تجھے کیا فکر ہمارے ہوتے
تیری قسمت میں اگر ہے شبِ مقتل ہونا

ebooksgallery.com

مجھ کو تشویش کہ بینائی مری ختم ہوئی
آپ کہتے ہیں اسے آنکھ سے اوجھل ہونا

اس لیے اُس نے مرا ساتھ دیا ہے تابش
اُس کو منظور نہیں تھا مرا پاگل ہونا

○

کوفۂ شک نہ کسی دشت بلا کی جانب
میں مدینے سے گیا کوہ ندا کی جانب

لوٹ آیا ہوں میں تہمت کی وصولی کے لیے
کچھ نکلتا تھا مرا خلق خدا کی جانب

ebooksgallery.com

○

غزل ذریعۂ اظہارِ بے دلاں تجھ سے
بہت سی کرنے کی باتیں ہیں میری جاں تجھ سے

تو اس کو میری رقابت کا مسئلہ نہ سمجھ
میں عشق ہوں مجھے رہنا ہے بدگماں تجھ سے

حنوط کر کے انہیں گھر میں رکھ لیا تو نے
قریبِ گل میں چمٹتی تھیں تتلیاں تجھ سے

رقصِ درویش

ebooksgallery.com

انتساب

مرتضیٰ برلاس کے نام

اقلیم ولایتیں اور سرخ خیمہ

ساٹھ کی دہائی کے آواخر میں جب میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے شہرۂ آفاق شعبہ معاشیات کا طالبعلم بننے کیلئے شہر سبزہ وگل میں اترا' گم ہو جانے والے اور سراغ نہ چھوڑنے والے شبیر شاہد نے لگتا ہے میرے لئے ہی کہا تھا:

فضائے ساحل کی اوٹ سے جھانکتا جھلکتا
وہ شہر حسن و جمال بھولا نہیں ہے مجھ کو
نگاہ میں ہے شکوہ اس کی عمارتوں کا
وہ معبدوں کا جلال بھولا نہیں ہے مجھ کو

میرا سن انیس برس کا تھا۔ اردو کی جدید شاعری میرا اوڑھنا بچھونا تھی۔ میں اسی کے ساتھ جاگتا اور اسی کے ساتھ سوتا تھا۔ احمد ندیم قاسمی کی دشت وفا' مجید امجد کی شب رفتہ' ناصر کاظمی کی برگ نے' ظفر اقبال کی آب رواں' منیر نیازی کی تیز ہوا اور تنہا پھول' احمد فراز کی درد آشوب وہ شعری مجموعے تھے جو مجھے تقریباً ازبر تھے اور میں ان میں سے کسی بھی وقت اپنے کیسے سے کچھ بھی نکال سکتا تھا۔ سوء اتفاق تھا یا حسن اتفاق کہ یونیورسٹی میں جس کلاس فیلو سے میری دوستی ہوئی وہ جدید اردو شاعری سے ناآشنا لیکن کلاسیکل شعراء کا دلدادہ تھا' میں ناصر کاظمی کا شعر پڑھتا تو وہ مصحفی کا شعر سناتا۔ میں ظفر اقبال کا حوالہ دیتا تو وہ آتش کو بیچ

ebooksgallery.com

میں لے آتا اور میں مجید امجد کا سہارا لیتا تو وہ میر تک پہنچ جاتا۔ منڈی میں اشیاء کی طلب اور رسد خود ہی قیمتوں کا تعین کر دیتی ہے۔ میں تو کلاسیکی شاعری کے بحرِ بے کنار کا شناور نہ ہو سکا لیکن میرا دوست جدید شاعری کی لپیٹ میں آ گیا اور پھر ایک وقت وہ آیا کہ اس نے ہوسٹل میں اپنے کمرے کے دروازے پر میرے استاد ظہیر فتح پوری کا یہ شعر لکھ دیا:

مرے من موہن ترے مکھڑے پہ کھلے بیلے کا بجیلا پن ہے
نصیب اب کے یہاں اترا یا تبسم ہے یا کنول روشن ہے

اس زمانے سے لے کر قریب کے زمانے تک میں اردو شاعری کے حوالے سے ایک قسم کی ثنویت کا شکار رہا۔ جب جدید شاعری پڑھنے کا موڈ ہوتا تو میں اپنی لائبریری سے منیر نیازی یا مجید امجد نکالتا اور جب کلاسیکل شعراء پڑھنے کو دل چاہتا تو میر انشاء اور ناسخ کے دواوین اٹھا لیتا' سفر میں بھی ایک کتاب سے کام نہ نکلتا۔ حافظ کے ساتھ نادر نادرپور یا فروغ فرخ زاد کو بھی شامل کرنا پڑتا۔

لیکن یہ اس وقت تک تھا جب تک میں نے عباس تابش کو نہیں پڑھا تھا۔

مجھے یاد نہیں عباس تابش کی غزل میں نے پہلی بار کہاں پڑھی تھی' کسی ادبی جریدے میں تھی یا اس کا شعری مجموعہ تھا۔ لیکن مجھے یہ اچھی طرح یاد ہے کہ میں دم بخود رہ گیا تھا۔ میں نے اپنے آپ سے پوچھا یہ شاعر کون ہے' جو بیک وقت جدید بھی ہے اور کلاسیکل بھی' جس کا شعر چونکا دیتا ہے اور ساتھ ہی ایک ایسی طمانیت بھی بخشتا ہے جو غائب و حاضر دونوں تک رسائی دیتی ہے۔ کیا آپ نے جدت اور کلاسیک کا اس سے بہتر امتزاج دیکھا ہے؟

لفظوں سے چھاؤں وضع کی' سطروں کو سائباں کیا
جیسے بھی ہو سکا بسر وقتِ زوالِ جاں کیا
دل کو کسی کا سامنا کرنے کی تاب ہی نہ تھی
اچھا کیا کہ آنکھ نے آنسو کو درمیاں کیا

جدید شاعری کا طالبعلم کلاسیکل شعراء سے کیوں گریزاں ہے؟ اس لیے کہ قدیم فارسی غزل سے ورثے میں ملے ہوئے تلازمے اپنی کشش کھو چکے ہیں۔ وہی صحرا اور اس

کے ساتھ محمل اور قیس' وہی کشتی اور اس کے ساتھ گرداب اور ساحل' وہی باغ اور اس کے ساتھ قفس اور صیاد' عباس تابش نے کمال یہ کیا کہ اسی لفظیات کو نیا زاویہ دیا اور اسی جسم کو نیا پیراہن عطا کیا یوں کہ یہ علامتیں بجائے خود جدت کا نشان بن گئیں:

اس کو مدت سے کوئی قیس نہیں ملتا تھا
میری دہلیز پہ صحرا کو ضرورت لائی
یہ دشتِ قیس کہ اب خاص کر کسی کا نہیں
یہ فیضِ عشق علیہ السلام میرا ہے

کشتی کو ہماری کلاسیکی شاعری میں ہمیشہ زندگی کی بقا کی علامت سمجھا گیا' یہاں تک کہ اسے ڈوبنے سے بچانے کیلئے اس سے سامان تک اتار لیا گیا۔ گرداب تھا یا ساحل' بادبان تھا یا ناخدا' طوفان تھے یا جزیرے یا دور منڈلانے والے پرندے سب کشتی کو پار لگانے میں مصروف تھے۔ روایت کی اس کہنگی سے ماضی قریب کے شاعر بھی دامن نہ چھڑا سکے۔

کچھ لوگ جو سوار ہیں کاغذ کی ناؤ پر
تہمت تراشتے ہیں ہوا کے دباؤ پر

(احسان دانش)

عباس تابش نے اس قدامت کی بساط ہی الٹ دی:

مجھے بھی اوروں کی طرح کاغذ ملا ہے لیکن
میں اس سے کشتی نہیں سمندر بنا رہا ہوں

تو پھر پار کیسے اترا جائے؟

عباس تابش پھر ہماری مدد کو آتا ہے:

ملتی نہیں ہے ناؤ تو درویش کی طرح
خود میں اتر کے پار اتر جانا چاہئے

یہ بجا ہے کہ عباس تابش سے میرا اولین تعارف جدت اور کلاسیک کے امتزاج کے

ebooksgallery.com

حوالے سے ہوا لیکن جیسے جیسے میں اس کو پڑھتا گیا' یہ ابتدائی حوالہ دور ہوتا گیا اور حیران کن مناظر سامنے آنے لگے۔ مجھے یاد ہے جب میں پہلی بار مسجد قرطبہ دیکھنے گیا تو اس کے بیرونی احاطے' وہاں کے لگے ہوئے خوبصورت درختوں اور دیواروں کے باہر کے حصے کو غور سے دیکھنے لگا' لیکن جب عمارت کے اندر داخل ہوا تو حیرت سے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے ٹھہر گیا۔ آپ جب پہلی بار لندن یا نیویارک کے ہوائی اڈے پر اترتے ہیں تو ایئر پورٹ کو غور سے AWE سے دیکھتے ہیں لیکن جب اصل شہر کے عجائبات دیکھتے ہیں تو پہلا بصری تعارف پس منظر میں چلا جاتا ہے۔ عباس تابش کی کلیات بہت دن میرے تکیے کے نیچے رہی اور اس نے کئی روز میرے سفری تھیلے میں بھی پڑاؤ کیا۔ اس کی شاعری پڑھ کر ہر بار میری زبان پر فارسی کا یہ شعر آیا:

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

عباس تابش کی شاعری کیا ہے؟ ایک وسیع اقلیم ہے' اس اقلیم کی کئی ولایتیں ہیں۔ ہر ولایت کا الگ انتظام ہے۔ ایک ولایت درختوں کے سپرد ہے۔ ایک ولایت کے انصرام پر پرندے مامور ہیں۔ ایک ولایت میں صرف محبت کے معاملات طے ہوتے ہیں۔ ایک ولایت باطنی اور خارق عادت (Metaphysical) امور کیلئے وقف ہے۔ سلطنت کے ایک حصے پر کربلا کے کنائے اور استعارے حکومت کر رہے ہیں۔ سب سے آخر میں سرخ رنگ کا ایک بہت بڑا خیمہ ہے۔ یہ اس ولایت کا صدر مقام ہے اور اوپر بیان کی ہوئی ساری ولایتوں سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اس کا حسن اتنا بے پناہ ہے اور اس کی شوکت وثروت اس قدر بے نظیر ہے کہ اسے کوئی نام ہی نہیں دیا جاسکتا۔

آیئے ذرا! ان ولایتوں کی ذرا ذرا سی جھلک دیکھتے چلیں۔

عباس تابش محبت کی بازی میں شاطر نکلا اور اس نے سب سے پہلے درختوں کے ساتھ معاملہ کیا۔ وہ اس عقلمند عاشق کی طرح ہے جو شہزادی کے عشق میں کامیاب ہونے کیلئے پہلے محل کی کنیزوں سے راہ و رسم استوار کرتا ہے:

اگر قریب سے گزروں تو ایسا لگتا ہے
یہ پیڑ مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں

محبت کی مہم میں درختوں کی حمایت فتح کی ضمانت ہے اور یہ چال چل کر عباس تابش نے سپہ سالارانہ مہارت کا ثبوت دیا۔ مجھے اپنی ایک نظم "درختوں کیلئے ایک نظم" کا ایک حصہ یاد آرہا ہے:

میں جتنے راستوں پر چلا ہوں
اور میں نے جتنے دریا عبور کیے ہیں
اور میں جتنے پہاڑوں پر چڑھا ہوں
اور میں نے جتنے سنگدلوں کو چاہا ہے
اور میں جتنی راتوں کو جاگا ہوں
اور میں نے جتنی مسرتیں کاشت کی ہیں
اور میں نے جتنے غم کاٹے ہیں
اور میں نے جتنے پیاروں کو گم کیا ہے
وہ سب
مجھے درختوں کے حوالے سے یاد آتے ہیں
اس لیے کہ
درختوں کے ساتھ ٹیک لگا کر
اور درختوں کے چلتے سایوں کے ساتھ ساتھ
بان کی کھردری چارپائیاں گھسیٹ کر
اور درختوں کو دیکھ کر
اور درختوں سے بغل گیر ہو کر
ہم نے معاملے طے کیے تھے
اور درختوں کو گواہ بنا کر

ebooksgallery.com

قدرت کا پتہ چلتا ہے۔ کبھی اس کے ہاں پرندے پیاس کے سفیر بن کر ابھرتے ہیں:

دشت میں پیاس بجھاتے ہوئے مر جاتے ہیں
ہم پرندے کہیں جاتے ہوئے مر جاتے ہیں
ہم ہیں سوکھے ہوئے تالاب پہ بیٹھے ہوئے ہنس
جو تعلق کو نبھاتے ہوئے مر جاتے ہیں

اور کبھی یہی پرندے وحشت کی پہنائیوں میں شاعر کا ساتھ دیتے ہیں' وحشت کی یہ پہنائیاں عاشقانہ بھی ہیں اور سیاسی اور معاشرتی بھی:

ہمیں سماعتِ بے لفظ کی اجازت ہے
ہمارے ساتھ پرندے کلام کرتے ہیں

نفسا نفسی اور افراتفری کا وہ دور ہے کہ شاعر کو پرندوں کی سلامتی کی فکر ہے۔ پرندے اس کیلئے معصومیت اور کمزوری کی علامت ہیں۔ معاشرہ بدقسمتی سے اس مقام پر پہنچ گیا ہے جہاں معصوم اور کمزور ہونا خطرناک ہے۔ عباس تابش سارے معصوموں اور کمزوروں کیلئے دعا کرتا ہے:

ان کے بچوں کو خدا سانپ سے محفوظ رکھے
دن میں ہوتے ہیں پرندوں کے ٹھکانے خالی

ثروت مند طبقے کو جو معاشرے کے زیریں حصے سے بے نیاز ہے' عباس تابش کتنے مہذب انداز میں نصیحت کرتا ہے:

تلاشِ رزق میں بھٹکے ہوئے پرندوں کو
میں جیب خرچ سے دانہ کھلایا کرتا تھا

لیکن عباس تابش جہاں قلم توڑ کر رکھ دیتا ہے وہ معاملاتِ محبت ہیں۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ مومن کے بعد معاملات جس طرح عباس تابش نے طے کیے ہیں شاید ہی کسی اور نے کیے ہوں۔ مومن نے تو معاملہ بندی پر ایسے ایسے اشعار کہتے ہیں جو اردو شاعری میں اپنی مثال آپ ہیں:

وحشت سے میرے سارے احبا چلے گئے
آنا ہے گر تو آؤ کہ خالی مکاں ہے اب

گر دیکھ کر ہنس دیا ہمیں تو
منہ پھیر کے مسکرائیں گے ہم
بت خانہ جہیں ہو گر ترا گھر
مومن ہیں تو پھر نہ آئیں گے ہم

سب نوشتے ترے اغیار کو دکھلاؤں گا
جانتا ہے تو مرے پاس ہیں کیا کیا کاغذ

عباس تابش کی معاملہ بندی کے اشعار مغل مصوری کی یاد دلاتے ہیں یا ان خوبصورت پینٹنگز کی جو دیوان حافظ اور رباعیات عمر خیام کے ایران میں چھپے ہوئے نسخوں میں لگی ہوتی ہیں اور نظر اور دل دونوں کا دامن کھینچتی ہیں۔ ابر چھایا ہوا ہے' باغ میں پھولوں اور درختوں کی بہار ہے' خوبصورت طائر اِدھر اُدھر اڑ رہے ہیں۔ دو مسندوں پر عاشق اور معشوق بیٹھے ہیں۔ خدام جام لئے کھڑے ہیں لیکن شکوے ہیں کہ ختم نہیں ہو رہے۔ ہاتھ سینے پر دھرا ہے' سر پاسِ ادب سے خم ہے لیکن دل کی بات زبان پر لائے بغیر چارہ نہیں کہ جانے پھر قربت کب میسر ہو:

کب تمہیں عشق پہ مجبور کیا ہے ہم نے
ہم تو بس یاد دلاتے ہیں چلے جاتے ہیں
آپ کو کون تماشائی سمجھتا ہے یہاں
آپ تو آگ لگاتے ہیں چلے جاتے ہیں

ناصر کاظمی نے کہا تھا:

پھر ایک طویل ہجر کے بعد

ebooksgallery.com

وحشت سے میرے سارے احبا چلے گئے
آنا ہے گر تو آؤ کہ خالی مکاں ہے اب

گر دیکھ کر ہنس دیا ہمیں تو
مت پھیر کے مسکرائیں گے ہم
بت خانہ چیں ہو گر ترا گھر
مومن ہیں تو پھر نہ آئیں گے ہم

سب نوشتے ترے اغیار کو دکھلاؤں گا
جانتا ہے تو مرے پاس ہیں کیا کیا کاغذ

عباس تابش کی معاملہ بندی کے اشعار مغل مصوری کی یاد دلاتے ہیں یا ان خوبصورت پینٹنگز کی جو دیوان حافظ اور رباعیات عمر خیام کے ایران میں چھپے ہوئے نسخوں میں لگی ہوتی ہیں اور نظر اور دل دونوں کا دامن کھینچتی ہیں۔ ابر چھایا ہوا ہے، باغ میں پھولوں اور درختوں کی بہار ہے، خوبصورت طائر ادھر اُدھر اڑ رہے ہیں۔ دو مسندوں پر عاشق اور معشوق بیٹھے ہیں۔ خدام جام لئے کھڑے ہیں لیکن شکوے ہیں کہ ختم نہیں ہو رہے۔ ہاتھ سینے پر دھرا ہے، سر پاس ادب سے خم ہے لیکن دل کی بات زبان پر لائے بغیر چارہ نہیں کہ جانے پھر قربت کب میسر ہو:

کب تمہیں عشق پہ مجبور کیا ہے ہم نے
ہم تو بس یاد دلاتے ہیں چلے جاتے ہیں
آپ کو کون تماشائی سمجھتا ہے یہاں
آپ تو آگ لگاتے ہیں چلے جاتے ہیں

ناصر کاظمی نے کہا تھا:

پھر ایک طویل ہجر کے بعد

صحبت ہوئی برقرار کچھ دیر

عباس تابش کو بھی یہ صحبت ایک طویل جانکاہ سفر کے بعد میسر آئی ہے لیکن اس نے اس نادر موقع کو ناصر کاظمی سے بہتر استعمال کیا ہے۔ وہ روایتی شاعر کی طرح محض سپردگی اور تسلیم کا شیوہ نہیں رکھتا۔ وہ کھل کر بات کرتا ہے اور جو کہنا چاہتا ہے کہہ دیتا ہے۔ مگر عشق کے دائرے کے اندر رہ کر:

تجھ تک پہنچ کے اس لیے آنکھیں بھر آئی ہیں
میں بھولتا نہیں کوئی ٹھوکر لگی ہوئی

پھر وہ اور زیادہ ہمت کا مظاہرہ کرتا ہے:

یہ روز و شب ہماری ترجیح میں نہیں ہیں
ہم تو جمال جاناں تجھ کو بسر کریں گے

میں نے کچھ دیر پہلے ایک سرخ خیمے کا ذکر کیا تھا جو عباس تابش کی سلطنت کے سب سے خوبصورت منطقے میں نصب ہے اور جہاں عباس تابش اپنے پسندیدہ ہم نشینوں کے ساتھ بزم خاص آراستہ کرتا ہے۔ اب میں آپ کو اسی خوبصورت خیمے کی طرف لے کر جا رہا ہوں اور عباس تابش کے وہ اشعار سنانے لگا ہوں جن کے بارے میں یہ بتانا کم از کم میرے لئے ممکن نہیں کہ ان کے قدم براہ راست سینے پر کیوں جا پڑتے ہیں؟ ایک شعر کیوں اچھا لگتا ہے؟ اس کا جواب آج تک کوئی نہیں دے سکا۔ اس لیے کہ نقادوں نے ایک اچھے شعر کی جتنی خوبیاں بیان کی ہیں، بارہا ایسا ہوا ہے کہ وہ سب خوبیاں ایک شعر میں موجود ہوتی ہیں لیکن وہ اچھا نہیں لگتا۔ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ خارج از بحر شعر پڑھنے والے کو شعر موزوں انداز میں پڑھنا سکھایا جائے اور جس طرح دنیا کی معلوم تاریخ میں آج تک کوئی ایسا مکتب سکول یا تربیتی ادارہ وجود میں نہیں آیا جہاں ناشاعر کو شاعر بنایا جا سکے۔ بالکل اسی طرح اچھے شعر کی تعریف کرنا ناممکن ہے۔ کیا کبھی کسی کو بتایا گیا ہے کہ اگر تم نے عاشق ہونا ہے تو اتنی قامت اور ایسے چہرے اور ایسی آنکھوں اور ایسے ہونٹوں والی حسینہ سے عشق کرنا اور کیا اس Process کو ضبط تحریر میں لایا جا سکتا ہے جس کے نتیجے میں عشق ہوتا ہے۔

ebooksgallery.com

س: آپ Process کی میکانیات میں پڑے بغیر اشعار پڑھیے:

تو جانتا نہیں مرے مالک مکان کو
اے دوست! کوئی چیز ادھر کی ادھر نہ ہو

اگر کبھی مجھے موجودگاں سے فرصت ہو
تو رفتگاں مری نیندیں حرام کرتے ہیں

اس زمانے میں غنیمت ہے غنیمت ہے میاں
کوئی باہر سے بھی درویش اگر لگتا ہے

خدا پہ چھوڑیے صاحب معاملہ دل کا
ہماری عمر میں قول و قسم نہیں ہوتے
عجیب لوگ ہیں یہ خاندان عشق کے لوگ
کہ ہوتے جاتے ہیں قتل اور کم نہیں ہوتے

گزر رہا ہوں کسی قریۂ ملامت سے
قدیم سلسلہ داری کو عام کرتا ہوا

ایسے نہیں مانوں گا میں ہستی کا توازن
تقطیع کیا جائے یہ مصرعہ مرے آگے
اے قامتِ دلدار! گزشتہ کی معافی
پہلے کوئی معیار نہیں تھا مرے آگے

حالتِ جنگ میں آدابِ خور و نوش کہاں
اب تو لقمہ بھی اٹھاتا ہوں میں تلوار کے ساتھ

ابھی نہ کوئے ملامت کو بند کیجئے گا
کہ اس طرف سے گزر صبح و شام میرا ہے
نہ ڈھونڈیے یہاں بدنظمی زمانہ کو
یہ میرا دل ہے یہاں انتظام میرا ہے

یوں بچایا ہے مجھے مجھ خدا نے میرے
سنگ جو ہاتھ میں تھا اب ہے سرہانے میرے

کیوں پھیرتی ہے چاند کے بالوں میں انگلیاں
کس کام پر ہے شاخِ صنوبر لگی ہوئی

چلتا رہنے دو میاں سلسلہ دلداری کا
عاشقی دین نہیں ہے کہ مکمل ہو جائے

یہ جو مٹی کی طرح ہم کو بچھا دیتا ہے تو
موسم گر پیا! ترا یہ سلسلہ قائم رہے

یہ جو میں نے چند شعر پیش کیے ہیں تازہ شعری مجموعے ''رقصِ درویش'' سے ہیں ورنہ اگر عباس تابش کے سارے مجموعوں سے نشتر نکالے جائیں تو بہتر سے کیا کم ہوں گے!

عباس تابش کی شاعری اس کی عمر سے آگے ہے۔ میری اور میری طرح اس کی شاعری کے بہت سے دلدادگاں کی دعا ہے کہ وہ لمبی عمر پائے اور اس کی شاعری اس کی عمر

ebooksgallery.com

سے آگے ہی رہے۔ مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے (کم از کم اب تک) تکبر کو پاس نہیں پھٹکنے دیا۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ جس نے بھی دو مصرعے موزوں کر لیے اس نے خود کو پورا اور میر کو آدھا شاعر قرار دیا لیکن عباس تابش پانچ جاندار کتابوں کا مصنف ہونے کے باوجود مطمئن نہیں اور مزید امکانات کا در باز کیے بیٹھا ہے:

زندگی بھر میں کوئی شعر تو ایسا ہوتا
میں بھی کہتا جو مرا زخمِ دروں ہے یوں ہے

یہ رویہ اسی کا شیوہ ہوتا ہے جس کے سر پر ستارۂ بلندی چمک رہا ہو۔

محمد اظہار الحق

اسلام آباد

۲۱ مارچ ۲۰۰۸ء

○

یہ کنارا ہے بہت میرے سفینے کے لیے
میں مدینے سے گیا بھی تو مدینے کے لیے

اس خرابے میں نہیں جلتا کوئی اور چراغ
اپنا نقشِ کفِ پا دے مرے سینے کے لیے

اُن کی مدحت کا میاں حق تو ادا کیا ہوگا
پھر بھی میں عرض گزاری ہے قرینے کے لیے

روز ہوتی ہے مرے سامنے تازہ ہجرت
روز میں گھر سے نکلتا ہوں مدینے کے لیے

ebooksgallery.com

زندگی بھر کا قیام اُس کا مقدر کر دے
سال بھر میں کوئی آتا ہے مہینے کے لیے

رزق یوں قاسمِ اشیاء کے کرم سے پایا
مجھ کو کھنچنا نہ پڑا خون پسینے کے لیے

میں اکیلا ہی سفر پر نہیں نکلا تابش
حرمِ کعبہ بھی ہے ساتھ مدینے کے لیے

○

میری تنہائی بڑھاتے ہیں چلے جاتے ہیں
ہنس تالاب پہ آتے ہیں چلے جاتے ہیں

اس لیے اب میں کسی کو نہیں جانے دیتا
جو مجھے چھوڑ کے جاتے ہیں چلے جاتے ہیں

میری آنکھوں سے بہا کرتی ہے اُن کی خوشبو
رفتگاں خواب میں آتے ہیں چلے جاتے ہیں

شادی مرگ کا ماحول بنا رہتا ہے
آپ آتے ہیں رُلاتے ہیں چلے جاتے ہیں

ebooksgallery.com

کب تمہیں عشق پہ مجبور کیا ہے ہم نے
ہم تو بس یاد دلاتے ہیں چلے جاتے ہیں

آپ کو کون تماشائی سمجھتا ہے یہاں
آپ تو آگ لگاتے ہیں چلے جاتے ہیں

ہاتھ پتھر کو بڑھاؤں تو سگانِ دنیا
حیرتی بن کے دکھاتے ہیں چلے جاتے ہیں

○

دی ہے وحشت تو یہ وحشت ہی مسلسل ہو جائے
رقص کرتے ہوئے اطراف میں جنگل ہو جائے

اے مرے دشت مزاجو! یہ مری آنکھیں ہیں
ان سے رومال بھی چھو جائے تو بادل ہو جائے

چلتا رہنے دو میاں سلسلہ دلداری کا
عاشقی دین نہیں ہے کہ مکمل ہو جائے

حالتِ ہجر میں جو رقص نہیں کر سکتا
اُس کے حق میں یہی بہتر ہے کہ پاگل ہو جائے

ebooksgallery.com

میرا دل بھی کسی آسیب زدہ گھر کی طرح
خود بخود کھلنے لگے خود ہی مقفل ہو جائے

ڈوبتی ناؤ میں سب چیخ رہے ہیں تابش
اور مجھے فکر غزل میری مکمل ہو جائے

○

یہ ہم جو تجھ سے تری بات کرنا چاہتے ہیں
جنوں بہ حرف و حکایات کرنا چاہتے ہیں

اسی لیے تو دُعا درمیان میں لائے
گلہ برنگِ مناجات کرنا چاہتے ہیں

معاملاتِ جہاں سے بچا کھچا ہوا دل
رہینِ عارض و آیات کرنا چاہتے ہیں

ہمیں تو چاہیے اک لمحہ باریابی کا
وہ اور ہیں جو سوالات کرنا چاہتے ہیں

ebooksgallery.com

وہ ہم سے خوف زدہ اور ہی حوالے سے
ہم اُن سے اور کوئی بات کرنا چاہتے ہیں

تمہیں پسند غیاب و حجاب میں رہنا
مگر جو تم سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں

یہ گرد بادِ جہاں کیوں ہمیں گھسیٹتا ہے
کہ ہم تو رقص ترے ساتھ کرنا چاہتے ہیں

اگر قریب سے گزروں تو ایسا لگتا ہے
یہ پیڑ مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں

تمہارے بعد تو لگتا ہے خوبصورت لوگ
ہمارے ساتھ کوئی ہاتھ کرنا چاہتے ہیں

○

شامل مرے غبار میں صحرا اگر نہ ہو
مجھ سے تو اک قدم بھی یہ وحشت بسر نہ ہو

کیسے وہ کوہسار کے دکھ کو سمجھ سکے
چشمے پہ جس کو شائبہ چشمِ تر نہ ہو

پتھر زمیں پہ پھینک کے چھینٹے اڑاؤں میں
گر مجھ کو تیری جھیل سی آنکھوں کا ڈر نہ ہو

ebooksgallery.com

اپنے جمال پر اُسے پختہ یقیں بھی ہے
ڈرتا بھی ہے کہ یہ مرا حُسنِ نظر نہ ہو

تجھ سے نہیں ملا تھا مگر چاہتا تھا میں
تو ہم سفر ہو اور کہیں کا سفر نہ ہو

یہ کہہ کے میرے گھر سے فرشتے چلے گئے
وہ کوئی گھر ہے جس میں پرندوں کا گھر نہ ہو

دیدار چاہتا ہے تہجد گزار عشق
یارب! قبولیت کی گھڑی تک سحر نہ ہو

یہ شب، یہ دستکیں، یہ پرندوں کی قیل و قال
دروازہ کھولیے کہیں صبحِ سفر نہ ہو

تو جانتا نہیں مرے مالک مکان کو
اے دوست! کوئی چیز اِدھر کی اُدھر نہ ہو

تجھ سے بچھڑ کے اس لیے تیرا ہے انتظار
وہ کوئی زندگی ہے جو بارِ دگر نہ ہو

آنکھوں کا کیا بنے گا ترے خال و خد کی خیر
اے دوست! زندگی سے زیادہ بسر نہ ہو

تابشؔ بزعمِ خود جنہیں عزت ہوئی نصیب
وہ چاہتے ہیں اور کوئی معتبر نہ ہو

ebooksgallery.com

ایک شعر

مانا کہ جنگ ہونے کا امکان تو گیا
لیکن ہمارے ہاتھ سے میدان تو گیا

○

یار سے کوئی تعلق نہ غمِ یار کے ساتھ
کوئی اتنا بھی نہ ہو گرمیِ بازار کے ساتھ

حالتِ جنگ میں آدابِ خورونوش کہاں
اب تو لقمہ بھی اُٹھاتا ہوں میں تلوار کے ساتھ

ناشنایانِ سخن! اب تو معافی دے دو
اب تو غالبؔ کا تعلق نہیں دربار کے ساتھ

ebooksgallery.com

ایک ہو جاتی ہے دنیا مرے اندر باہر
میں سر شام اجڑ جاتا ہوں بازار کے ساتھ

عشق کرنا کوئی آسان نہیں ہے تابش
ایک ہی شخص سے اور ایک ہی معیار کے ساتھ

○

اسی لیے تو اندھیرے بھی کم نہیں ہوتے
کہ اپنے جسم چراغوں میں ضم نہیں ہوتے

خدا پہ چھوڑیئے صاحب! معاملہ دل کا
ہماری عمر میں قول و قسم نہیں ہوتے

اور اب ہے اس لیے افسوس اپنے ہونے کا
کسی کے ہو گئے ہوتے تو ہم نہیں ہوتے

وہ ہم ہیں جن کا نہ ہونا بھی ہونے جیسا ہے
وہ ہم ہیں جن کے وجود و عدم نہیں ہوتے

ebooksgallery.com

عجیب لوگ ہیں یہ خاندانِ عشق کے لوگ
کہ ہوتے جاتے ہیں قتل اور کم نہیں ہوتے

ہماری آہٹیں سننے کے منتظر لوگو!
ہمارے ساتھ ہمارے قدم نہیں ہوتے

ابھی سے ترکِ تعلق کی بات کرتے ہو
یہ فیصلے تو میاں ایک دم نہیں ہوتے

تمھیں میں اس لیے خود سے جدا سمجھتا ہوں
کہ مجھ سے اپنے قصیدے رقم نہیں ہوتے

○

کوئی ملتا نہیں یہ بوجھ اُٹھانے کے لیے
شام بے چین ہے سورج کو گرانے کے لیے

اپنے ہمزاد درختوں میں کھڑا سوچتا ہوں
میں تو آیا تھا اُنھیں آگ لگانے کے لیے

میں نے تو جسم کی دیوار ہی ڈھائی ہے فقط
قبر تک کھودتے ہیں لوگ خزانے کے لیے

دو پلک بیچ کبھی راہ نہ پائی ورنہ
میں نے کوشش تو بہت کی نظر آنے کے لیے

ebooksgallery.com

لفظ تو لفظ یہاں دھوپ نکل آتی ہے
تیری آواز کی بارش میں نہانے کے لیے

کس طرح ترکِ تعلق کا میں سوچوں تابش
ہاتھ کو کاٹنا پڑتا ہے چھڑانے کے لیے

○

یہ ہم جو تجھ سے تجھے بار بار مانگتے ہیں
سلیقۂ طلب و اختیار مانگتے ہیں

ہمارا شوق تو دیکھو کہ پیڑ کے مانند
ہم ایک پھول بدستِ ہزار مانگتے ہیں

کسی سے کہہ نہیں دینا کہ عشق ہو گیا ہے
کہ لفظ معنی نہیں اعتبار مانگتے ہیں

ebooksgallery.com

چراغ ہوتا ہے صاحب چراغ سے روشن
سو ہم بھی آپ سے مانگے کا پیار مانگتے ہیں

اگر وہ تو ہے تو اس میں ہمارا دوش نہیں
کہ ہم تو رحمتِ پروردگار مانگتے ہیں

○

غلط کہا کہ دہن کا رفو ضروری ہے
یہ میکدہ ہے یہاں ہاؤ ہو ضروری ہے

ضروریات جہاں ہم سے پوچھنے والے
تجھے یہ کیسے بتائیں کہ تو ضروری ہے

کوئی بضد ہے کہ ہم دل کو زخم گردانیں
اور اس پہ شرط کہ اس کا رفو ضروری ہے

میں اپنے حجرۂ جاں سے نکلنا چاہتا ہوں
کہ میرا رقص میرے چار سو ضروری ہے

ebooksgallery.com

میں تجھ سے اپنے مسائل کی بات کیسے کروں
کہ تیرے ساتھ تری گفتگو ضروری ہے

یہ ہم کو عشق غلط فہمیوں میں ڈال گیا
وگرنہ میں ہوں ضروری نہ تو ضروری ہے

○

کوئی ٹکرا کے سبک سر بھی تو ہو سکتا ہے
میری تعمیر میں پتھر بھی تو ہو سکتا ہے

کیوں نہ اے شخص! تجھے ہاتھ لگا کر دیکھوں
تو مرے وہم سے بڑھ کر بھی تو ہو سکتا ہے

تو ہی تو ہے تو پھر اے جملہ جمالِ دنیا
تیرا شک اور کسی پر بھی تو ہو سکتا ہے

یہ جو ہے پھول ہتھیلی پہ اسے پھول نہ جان
میرا دل جسم سے باہر بھی تو ہو سکتا ہے

ebooksgallery.com

شاخ پر بیٹھے پرندے کو اڑانے والے
پیڑ کے ہاتھ میں پتھر بھی تو ہو سکتا ہے

کیا ضروری ہے کہ باہر ہی نمو ہو میری
میرا کھلنا مرے اندر بھی تو ہو سکتا ہے

یہ جو ہے ریت کا ٹیلہ مرے قدموں کے تلے
کوئی دم میں مرے اوپر بھی تو ہو سکتا ہے

کیا ضروری ہے کہ ہم ہار کے جیتیں تابش
عشق کا کھیل برابر بھی تو ہو سکتا ہے

○

دھوپ ہوں پرچھائیں ہوں یا کوئی بادل شخص ہوں
تجھ نظر کے زاویے ہیں میں تو اوجھل شخص ہوں

تجھ کو گنتا ہوں میں اپنے آپ میں اس واسطے
تاکہ دنیا کو بتا پاؤں مکمل شخص ہوں

دوست! میرا مسئلہ کچھ مختلف ہے پیڑ سے
وہ پھلوں سے اور میں یادوں سے بوجھل شخص ہوں

ebooksgallery.com

راکھ ہونے تک تجھے جانے نہیں دوں گا کہیں
تو بھڑکتی آگ ہے تو میں بھی جنگل شخص ہوں

تو نے اپنا مسئلہ چھوڑا ہے میری آنکھ پہ
اے جمالِ یار! میں تو خود سے اوجھل شخص ہوں

○

وہی میں اور وہی زخمِ زیاں ہے کہ جو تھا
پیکرِ حرفِ شناسائی کہاں ہے کہ جو تھا

رنگ و خوشبو کے علاوہ ہی سہی تھا تو سہی
کچھ پتہ اُس کا بھی اے گل بدناں ہے کہ جو تھا

مجھ بلا نوش گزشتہ سے ہوا پوچھتی ہے
شاخِ گریہ پہ گُلِ سُرخ کہاں ہے کہ جو تھا

پیاس میں اتنا بھی خوش فہم کوئی ہوتا ہے
اُس پیالے پہ چھلکنے کا گماں ہے کہ جو تھا

ebooksgallery.com

جنبشِ لب پہ بھی آتا ہے کلیجہ منہ کو
پاسِ ہمسائیگیِ کم سخناں ہے کہ جو تھا

ایک پل کو بھی نہیں بیٹھتا پانی کا غبار
دو پلک بیچ جہانِ گزراں ہے کہ جو تھا

اس لیے وحشت تعاقب میں نکل آیا ہے
اب مری ذات میں وہ چشمہ رواں ہے کہ جو تھا

اس لیے اب ترے بارے میں نہیں پوچھتے لوگ
تیرے بارے میں وہی میرا بیاں ہے کہ جو تھا

○

بوئے گل بن کے سرِ دوشِ ہوا رہتے ہیں
پھر بھی ہم آبلہ پا آبلہ پا رہتے ہیں

ہم کنارے پہ سلگتے ہوئے پیڑوں کی طرح
آپ تصویر میں دریا کی جگہ رہتے ہیں

ایک لمحے کو لگا کھل گئے عقدے سارے
پھر یہ سوچا کہ ترے بندِ قبا رہتے ہیں

ebooksgallery.com

جب بھی ہوتی ہے ہمیں نقلِ مکانی منظور
کچھ دنوں کے لیے اک شخص میں جا رہتے ہیں

یہ بھی رہتے نہیں ویران جگہ پر تابش
دکھ پرندوں کی طرح شہر میں آ رہتے ہیں

○

تجھ جیسا ہر طرف نظر آتا تو ہے نہیں
دل آئینہ ہے آئینہ خانہ تو ہے نہیں

اے ہجر تو ہی کر لے کوئی شکل اختیار
بچھڑے ہوؤں نے لوٹ کے آنا تو ہے نہیں

کیوں خواب اور سانپ میں رہتی ہے کشمکش
آنکھوں کی تہ میں کوئی خزانہ تو ہے نہیں

ebooksgallery.com

تو نے بھی اس بلندی سے مہتاب کی طرح
آتے دکھائی دینا ہے آنا تو ہے نہیں

تجھ سے معاملہ تو ہے خود سے معاملہ
تو زندگی ہے دوست! زمانہ تو ہے نہیں

○

شجر سمجھ کے مرا احترام کرتے ہیں
پرندے رات کو مجھ میں قیام کرتے ہیں

سنو تم آخرِ شب گفتگو درختوں کی
یہ کم کلام بھی کیا کیا کلام کرتے ہیں

کہاں کی زندگی ہم کو تو شرم مار گئی
کہ تیری چیز ہے اور تیرے نام کرتے ہیں

ہمیں تو اس لیے جائے نماز چاہیے ہے
کہ ہم وجود سے باہر قیام کرتے ہیں

ebooksgallery.com

اگر کبھی مجھے موجودگاں سے فرصت ہو
تو رفتگاں مری نیندیں حرام کرتے ہیں

لہو کے گھونٹ نہ پیتا تو اور کیا کرتا
وہ کہہ رہے تھے ترا انتظام کرتے ہیں

ہمیں سماعتِ بے لفظ کی اجازت ہے
ہمارے ساتھ پرندے کلام کرتے ہیں

ابھی تو گھر میں نہ بیٹھیں کہو بزرگوں سے
ابھی تو شہر کے بچے سلام کرتے ہیں

○

تو اشک دل پہ گراتے جگر لہو کرتے
درونِ جسم سہی کوششِ نمو کرتے

تمہارے مصرعہِ لب کو تو کیا پہنچتے ہم
کچھ اپنے ڈھب سے ہی کہنے کی جستجو کرتے

مگر یہ کاغذِ خالی تو ہم کو صحرا تھا
لکیر کھینچتے اور اُس کو آبجو کرتے

خیال آیا مگر کیوں یہی خیال آیا
کہ عمر بیت گئی تیری آرزو کرتے

ebooksgallery.com

میں اُن سے کس لیے کرتا ملامتوں کا گلہ
یہ کام دوست نہ کرتے تو کیا عدو کرتے

ابھی تو ظلِ الٰہی کو یہ نہیں معلوم
کہ ہم محل میں بھی ہوتے تو ہاؤ ہو کرتے

○

یہ میں جو حرف سے مصرعے نہیں حجرے بناتا ہوں
دُعائے نیم شب تیری اجازت سے بناتا ہوں

بہت آگے کی منزل ہے خیالِ منزلِ جاناں
میں رستے تک پہنچنے کیلئے رستے بناتا ہوں

اسی خاطر تو میں کوزہ گری سے ہاتھ کھینچے ہیں
مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میں کاسے بناتا ہوں

اجازت ہی نہیں اُس کو نمائش میں لگانے کی
کہ میں تصویر میں جلتے ہوئے خیمے بناتا ہوں

ebooksgallery.com

مرے بعد آنے والوں سے کہو وہ حوصلہ رکھیں
میں خود کو کاٹ کر ان کیلئے رستے بناتا ہوں

مجھے جب مستقل غم کی ضرورت تنگ کرتی ہے
میں تجھ کو قتل کر دینے کے منصوبے بناتا ہوں

نہ کیوں ترکِ تعلق پر گماں گزرے محبت کا
کہ میں تو بے دلی کے کام بھی دل سے بناتا ہوں

مجھ ایسے کوہ کن کو رفتگاں کا رنج ہے تابش
میں پتھر کاٹ کر نہریں نہیں کتبے بناتا ہوں

○

اہلِ منصب ہیں نہ ہم لوگ ہنر والے ہیں
ہم پہ دستار کی تہمت ہے کہ سر والے ہیں

اُن نے یہ نامۂ اعمال تھمایا ہم کو
جو نہیں جانتے ہم دیدۂ تر والے ہیں

کیوں نہ ہو آپ سے مشروط ہمارا ہونا
ہم دُعا والے ہیں اور آپ اثر والے ہیں

مانجھیو! ہم بھی کنارے پہ کھڑے ہیں بے چین
مطمئن وہ بھی نہیں ہیں جو اُدھر والے ہیں

ebooksgallery.com

وہی سرخی، وہی طائر وہی روشن تارا
شامِ ہجراں ترے آثار سحر والے ہیں

سر پھروں سے ہی نہیں ہے ترا پنجرہ آباد
ہم بھی ہیں قید جو ٹوٹے ہوئے پر والے ہیں

اُس کے گل پھول بھی کام آتے نہیں ہیں اُس کے
پیڑ کے دُکھ بھی مرے دستِ ہنر والے ہیں

○

عادی جو ترے طعنہ و دُشنام کے ہوتے
ہم کوئے ملامت میں بڑے کام کے ہوتے

میں نے ہی سرِ راہ پکارا نہ تجھے دوست
ورنہ کئی رہگیر تیرے نام کے ہوتے

یہ شرط نہیں کوئی پیالہ ہو کہ دل ہو
گردش میں رہے گردشِ ایام کے ہوتے

ہر شام کی دہلیز پہ تھی صبح قیامت
میں سو نہ سکا وقفۂ آرام کے ہوتے

ebooksgallery.com

خالی ہے ترا جام مگر طبعِ بلا نوش
خالی نہ سمجھ دُرد تہِ جام کے ہوتے

بچھڑے ہوئے لوگوں سے ہے اب تک وہی اُمید
ہوتے تو یقیناً وہ مرے کام کے ہوتے

○

عشق زادوں کے لہو کا یہ اثر لگتا ہے
آج بھی دشت میں نیزے کو ثمر لگتا ہے

کوفہ و شام مراحل ہیں گزر جائیں گے
یہ مدینے سے مدینے کا سفر لگتا ہے

کوئی گٹھڑی تو نہیں ہے کہ اُٹھا کر چل دوں
شہر کا شہر مجھے رختِ سفر لگتا ہے

اس زمانے میں غنیمت ہے غنیمت ہے میاں
کوئی باہر سے بھی درویش اگر لگتا ہے

ebooksgallery.com

خالی ہے ترا جام مگر طبعِ بلا نوش
خالی نہ سمجھ دُرد تہِ جام کے ہوتے

بچھڑے ہوئے لوگوں سے ہے اب تک وہی اُمید
ہوتے تو یقیناً وہ مرے کام کے ہوتے

○

عشق زادوں کے لہو کا یہ اثر لگتا ہے
آج بھی دشت میں نیزے کو ثمر لگتا ہے

کوفہ و شام مراحل ہیں گزر جائیں گے
یہ مدینے سے مدینے کا سفر لگتا ہے

کوئی گٹھڑی تو نہیں ہے کہ اُٹھا کر چل دوں
شہر کا شہر مجھے رختِ سفر لگتا ہے

اس زمانے میں غنیمت ہے غنیمت ہے میاں
کوئی باہر سے بھی درویش اگر لگتا ہے

ebooksgallery.com

توڑنے کو بچا نہیں کچھ بھی
اور ہے بچپنا طبیعت میں

اس کو میری سپردگی نہ سمجھ
پاؤں پڑتا ہوں میں ندامت میں

کیا کہوں جو سکون ملتا ہے
ایک صوفی شجر کی صحبت میں

میں تمہیں چھوڑ تو نہیں بیٹھا
لوگ کیوں ہیں مری حمایت میں

اب بچھڑنا بہت ضروری ہے
پھر ملیں گے کسی مصیبت میں

اِک قدم تیغ پہ اور ایک شرر پر رکھا
میری وحشت نے مجھے رقصِ دگر پر رکھا

میرے مالک نے تجھے آئینہ داری دے کر
نگراں تجھ کو مرے حسنِ نظر پر رکھا

لاتعلق نظر آتا تھا بظاہر لیکن
شہر کو اُس نے مری خیر خبر پر رکھا

زندگی! تو نے قدم موڑ دیے اور طرف
اور اندر سے مجھے اور سفر پر رکھا

ebooksgallery.com

اہلِ وحشت کو مگر کون بتاتا جا کر
ہو گیا نافِ غزالیں کوئی گھر پر رکھا

کونپلیں پھوٹ پڑیں دستِ دُعا سے میرے
دمِ آمین جو میں دیدۂ تر پر رکھا

ختم ہوتی ہی نہیں گریہ و زاری اُن کی
میرؔ نے ہاتھ تو ہر لفظ کے سر پر رکھا

میں نے اِس ڈر سے اُسے توڑ لیا ہے تابشؔ
سوکھ جائے نہ کہیں شاخِ شجر پر رکھا

مہکنے کی تمنا میں ہوا ہونے سے ڈرتے ہیں
اسیرانِ شبِ وعدہ رہا ہونے سے ڈرتے ہیں

محبت میں بہت آگے نکل کر بھی یہ لگتا ہے
کہ وعدہ کر چکے اور مبتلا ہونے سے ڈرتے ہیں

ہمارا سلسلہ ہے دوریٔ قربت نما جیسا
کہ ملتے بھی نہیں ہم اور جدا ہونے سے ڈرتے ہیں

محبت کرتے کرتے خود محبت ہو گئے ہم لوگ
قضا کرتے تھے لیکن اب قضا ہونے سے ڈرتے ہیں

ebooksgallery.com

دو شعر

اسی خاطر ترے غم کا کوئی ہم قد نہیں ہوتا
کہ جو برگد تلے اُگتا ہے وہ برگد نہیں ہوتا

کبھی کی بات کرتے ہو دُعا نا آشنا لوگو
مرا تو اَن کہا بھی اُس طرف سے رد نہیں ہوتا

○

ہم جو پلک پلک سے لگا دیکھتے نہیں
کچھ بھی نہ دیکھنے کے سوا دیکھتے نہیں

ہم اپنے جسم میں پڑے سنتے ہیں آہٹیں
باہر نکل کے آیا گیا دیکھتے نہیں

بیکار دین و دل میں الجھتے نہیں کہ ہم
فرقِ فراق و روزِ جزا دیکھتے نہیں

ہم کیا کریں کہ آگ بگولا ہوئے بغیر
یکجائیِ چراغ و ہوا دیکھتے نہیں

ebooksgallery.com

کیسی تراش چاہیے اُس کی تراش کو
بخیہ گرانِ چست قبا دیکھتے نہیں

جس پر تھکے پرندے اُترتے ہیں دفعتاً
وہ شاخ ہے کہ دستِ دُعا دیکھتے نہیں

کچھ دیر دیکھتے ہیں بگولوں کے بھید بھاؤ
پھر خستگانِ دشتِ فنا دیکھتے نہیں

کی ایسی تیری دید نے آنکھوں کی تربیت
سب دیکھ کے بھی تیرے سوا دیکھتے نہیں

○

محدود خود کو کیوں کرے تیرے جمال تک
دل آنکھ تو نہیں کہ رہے خدوخال تک

وہ تو بیان کرنے میں ترتیب الٹ گئی
میرا سفر نہیں ہے غزل سے غزال تک

کاغذ کے پھول دے کے کہا میں ہوں یہ ہوں میں
اور یہ بھی کہہ دیا کہ رہوں اس مثال تک

ebooksgallery.com

○

یہ روشنی سی مرے دل کے روبرو کیا ہے
اسی سے جان وہ چشمِ ستارہ جو کیا ہے

نہیں پہنچنا ہمیں گر کسی نتیجے پر
تو پھر جو ہم میں ہے جاری وہ گفتگو کیا ہے

کوئی تو ہو جسے اپنا رقیب ٹھہراؤں
کوئی تو ہو جسے معلوم ہو کہ تو کیا ہے

○

میں اپنے عشق کو خوش اہتمام کرتا ہوا
مقامِ شکر پہ پہنچا کلام کرتا ہوا

یہ گرد باد سلامت گزرنا چاہتا ہے
مرے چراغ پہ وحشت تمام کرتا ہوا

گزر رہا ہوں کسی قریۂ ملامت سے
قدیم سلسلہ داری کو عام کرتا ہوا

تو پھر یہ کون ہے نصف النہار کے ہنگام
قیام و رقص کی حالت میں شام کرتا ہوا

ebooksgallery.com

کبھی تو کھل کے بتا اے مری ریاضتِ مرگ
میں کیسا لگتا ہوں فکرِ دوام کرتا ہوا

زمانوں بعد بھی دشتِ بلا میں میرا حسینؑ
دکھائی دیتا ہے حجت تمام کرتا ہوا

○

یونہی منزل بہ منزل سب کسی غیبی اشارے تک
میں جیسے بادباں تک بادباں جیسے ستارے تک

پھر اس کے بعد ملاحوں کے گیتوں میں رہیں گے ہم
ہمیں کشتی میں ہونا ہے کنارے سے کنارے تک

کسی نے اس سے آگے کا سفر قدموں میں لا رکھا
ہمارا دھیان جاتا تھا محبت کے خسارے تک

نہیں معلوم تھا جب تک کہ تم ہو زندگی تم ہو
ہمارا زندہ رہنے کا تصور تھا گزارے تک

ebooksgallery.com

زبانوں میں پڑی گرہیں تو کیا کھل پائیں گی تم سے
کہ تم سے تو نہیں کھلتے ہمارے استعارے تک

تمہارا ہاتھ کیوں چھوڑوں تمہیں جب علم ہے اس کا
کہ میں اپنے سہارے جا نہیں سکتا سہارے تک

ترے نقشِ قدم پر میں قدم بھی رکھ نہیں سکتا
سفر بھی مجھ کو کرنا ہے حرم سے تیرے دوارے تک

ابھی اے سار بانو! گیت کو بجھنے نہیں دینا
ابھی گم کردہ منزل نہیں پہنچا ستارے تک

(اقبال مظفر کے لیے)

جل پری ہاتھ لگی اور نہ گہرا اُترا
میں وہ پیاسا ہوں جسے دیکھ کے دریا اُترا

یہ محبت تھی مری جان کے در پے ایسی
جان دے کر بھی نہیں جان کا صدقہ اُترا

اپنی پرچھائیں سدا ہاتھ ہی رکھی اُس نے
میرے کمرے میں کبھی چاند نہ تنہا اُترا

اُس سے چھپ کر کوئی کیا عشق کرے گا اُس سے
اُس نے پہچان لیا جب کوئی چہرہ اُترا

ebooksgallery.com

ہر کوئی خود کو سمجھ بیٹھا ہے شہزادہ سلیم
اور اگر کوئی نہ معیار پہ پورا اُترا

بوڑھا مالی تو اُسے گھور رہا ہے کب سے
آم کے پیڑ سے اب تک نہیں بچہ اُترا

زندگی اپنی شب چار دہم تھی تابش
چاند ڈوبا نہ کبھی عشق کا نشہ اُترا

○

کھل اٹھا دل صورتِ شاخِ وصال اُس کے لیے
کیسے تحفے لائی ہے بادِ شمال اُس کے لیے

اور اب یہ طے ہوا ہے میں نہیں تو وہ نہیں
زندگی اے زندگی! مجھ کو سنبھال اُس کے لیے

وہ جو مہرہ ہو گیا پٹتے ہوئے مہروں کے ساتھ
اے زمانہ ساز شاطر! کوئی چال اُس کے لیے

اے عقوبت خانۂ دنیا مجھے درکار ہیں
زخم اپنے واسطے اور اندمال اُس کے لیے

ebooksgallery.com

○

یوں ہی نہیں یہ آگ مرے گھر لگی ہوئی
"تختی ہے تیرے نام کی در پر لگی ہوئی"

میں ٹھیک سے قدم نہیں زینوں پہ رکھ سکا
میری نگاہ تھی کہیں اُوپر لگی ہوئی

کیوں پھیرتی ہے چاند کے بالوں میں انگلیاں
کس کام پہ ہے شاخِ صنوبر لگی ہوئی

اتنے دھوئیں میں یہ نہیں معلوم ہو رہا
گھر میں ہے یا ہے گھر کے برابر لگی ہوئی

خاک برسر زندگی! تجھ کو پتہ بھی ہے کہ میں
دھول میں تیرے لیے ہوں پائمال اُس کے لیے

یہ غبارِ میرؔ تو صاحب غبارِ میرؔ ہے
بیٹھ جاتا ہے غبارِ ماہ و سال اُس کے لیے

لوگ تتلی کی طرح کرنے چلے اس کو حنوط
اک مصیبت بن گیا اُس کا جمال اُس کے لیے

کیا کروں تابشؔ اُسے خود سے محبت ہے بہت
رکھنا پڑتا ہے مجھے اُس کا خیال اُس کے لیے

ebooksgallery.com

میں نے کیا مکان میں چھڑکاؤ زہر کیا
دیمک تھی میرے جسم کے اندر لگی ہوئی

تجھ تک پہنچ کے اس لیے آنکھیں بھر آئی ہیں
میں بھولتا نہیں کوئی ٹھوکر لگی ہوئی

غرور و کذب و ریا کل من علیہا فان
مسلسل ایک ندا کل من علیہا فان

چلی ہے ناؤ سوئے ساحلِ مراد مگر
پکارتی ہے ہوا کل من علیہا فان

اُسی نے ہم سے کہا عشق مر نہیں سکتا
اُسی نے ہم سے کہا کل من علیہا فان

ہمارے نام شجر پر لکھے ہوئے تھے جہاں
وہیں کسی نے لکھا کل من علیہا فان

ebooksgallery.com

ہم اہلِ عشق بھی کمزور پڑ گئے شاید
ہمیں بھی کہنا پڑا کل من علیہا فان

کسی نے ہم سے کہا آنکھ موند کر دیکھو
ہمیں سنائی دیا کل من علیہا فان

ہمارے گھر کی شکستہ فصیل پر تابش
دیئے کی لو نے لکھا کل من علیہا فان

یوں بھی کشکول کیا تیرے گدا نے خالی
جیسے کرتا ہے سخی اپنے خزانے خالی

اس لیے بھی میں محبت پہ اُتر آیا ہوں
میرے کردار سے ہوتے تھے فسانے خالی

ہجر و ہجرت کے کہاں بس میں تھا اتنا بڑا کام
ان مکانوں کو کیا سیلِ فنا نے خالی

ان کے بچوں کو خدا سانپ سے محفوظ رکھے
دن میں ہوتے ہیں پرندوں کے ٹھکانے خالی

ebooksgallery.com

یہ عجب کشمکشِ حاصل و لاحاصلی ہے
تو ہی ملتا ہے نہ جاتے ہیں نشانے خالی

وہ جو کھلتے تھے یہاں پھول نہیں کھلتے ہیں
تیرے جانے سے ہوئے آئینہ خانے خالی

اے سخی! دیکھ یہ دل ہیں یہ ہمارے دل ہیں
ان کو کرنا ہے کہیں ہم فقراء نے خالی

اک گلِ صبحِ خزاں ہے جو یہاں رکھا ہے
لوگ کہتے ہیں کہ ساغر ہے سرہانے خالی

○

یہ دیکھ مرے نقشِ کفِ پا مرے آگے
آگے بھی کہاں جاتا ہے رستہ مرے آگے

اے تشنہ لبی تو نے کہاں لا کے ڈبویا
اس بار تو دریا بھی نہیں تھا مرے آگے

ایسے نہیں مانوں گا میں ہستی کا توازن
تقطیع کیا جائے یہ مصرعہ مرے آگے

اے قامتِ دلدار! گزشتہ کی معافی!
پہلے کوئی معیار نہیں تھا مرے آگے

ebooksgallery.com

کیونکر سخن آغاز کیا جائے کہ وہ آنکھ
لا رکھتی ہے اجداد کا لکھا مرے آگے

حیرت ہے کہ دیتی ہیں مجھے طعنۂ وحشت
ترتیب سے رکھی ہوئی اشیاء مرے آگے

میں جانتا ہوں اس کے سبھی بھید سبھی بھاؤ
دنیا نے کبھی رقص کیا تھا مرے آگے

میں عشق کے آداب ذرا سیکھ لوں پہلے
بیٹھے گی ادب سے یہی دنیا مرے آگے

○

ہم خستگاں کی اتنی حقیقت ہے اور بس
زندہ ہیں اور تجھ سے محبت ہیں اور بس

شہری غزال! میں تجھے کیسے یقیں دلاؤں
صحرا مرے جنوں کی ضرورت ہے اور بس

دامانِ یار! تجھ کو بھی اس کی خبر ہے کچھ
اب اپنے کھینچنے کو خجالت ہے اور بس

ebooksgallery.com

اے شخص! تیرے ساتھ ہیں سارے معاملات
ایسا نہیں کہ تجھ سے محبت ہے اور بس

تجھ سے خدانخواستہ نفرت کروں گا میں
تجھ سے مجھے اُلجھنے کی عادت ہے اور بس

○

اک جیسی زندگی کو کتنا بسر کریں گے
کیا اس پہ بحث ہم سے حضرت خضر کریں گے

یہ عشق ہے اور اس کا ہونا نہیں دوبارا
یہ زیست تو نہیں جو بارِ دگر کریں گے

اس عاشقی سے جس دن جی بھر گیا ہمارا
اے چشمِ یار! تجھ کو پہلے خبر کریں گے

یہ کیسے تو نے سوچا' یہ کیسے تو نے مانا
تو ہم سفر نہ ہوگا اور ہم سفر کریں گے

ebooksgallery.com

اے خانماں خرابی! پہلے بتایا ہوتا
وہ دل نہیں رہے گا ہم جس میں گھر کریں گے

اے ہجر بخش تو نے جاتے ہوئے نہ سوچا
ہم ایسے دید بازاں! کس پر نظر کریں گے

کٹ کٹ کے بولنے کی ہم میں نہیں ہے ہمت
اب تجھ سے گفتگو بھی شاخ و شجر کریں گے

یہ روز و شب ہماری ترجیح میں نہیں ہیں
ہم تو جمالِ جاناں تجھ کو بسر کریں گے

اس عمر میں نہ کھینچو ہم کو گلی محلے
آوارگی کریں گے اور بے سفر کریں گے

○

ایسے تو کوئی ترکِ سکونت نہیں کرتا
ہجرت وہی کرتا ہے جو بیعت نہیں کرتا

یہ لوگ مجھے کس لیے دوزخ سے ڈرائیں
میں عاشقی کرتا ہوں عبادت نہیں کرتا

ہم سلسلہ داروں کے ہو کیوں جان کے در پے
کافر اسے کہیے جو محبت نہیں کرتا

لگتا ہے یہاں موت نہیں آتی کسی کو
اس شہر میں اب کوئی وصیت نہیں کرتا

ebooksgallery.com

یہ مجھ کو بتاتے ہیں غزالانِ طرح دار
اچھا وہی رہتا ہے جو وحشت نہیں کرتا

تابشؔ کا قیامت سے یقیں اُٹھ نہ گیا ہو
کچھ دن سے وہ ذکرِ قد و قامت نہیں کرتا

○

اسی سبب سے یہاں احترام میرا ہے
کہ اُس کے ماننے والوں میں نام میرا ہے

ابھی نہ کوئے ملامت کو بند کیجیے گا
کہ اس طرف سے گزر صبح و شام میرا ہے

یہاں کسی کی نہیں جو مری ہوئی تذلیل
یہاں کسی کا نہیں جو مقام میرا ہے

مرے لہو نے لکھی آیتِ شہادتِ عشق
کتابِ دشت میں شامل کلام میرا ہے

ebooksgallery.com

نہ ڈھونڈیئے یہاں بدکمی زمانہ کو
یہ میرا دل ہے یہاں انتظام میرا ہے

سیاہ خانۂ دل میں پڑا میں سوچتا ہوں
اسی نواح میں اک شعلہ فام میرا ہے

یہ دشتِ قیس کہ اب خاص کر کسی کا نہیں
یہ فیضِ عشق علیہ السلام میرا ہے

○

عکس اپنا دیکھنا تو مسئلہ میرا بھی ہے
کیوں نہ چڑیا سے کہوں یہ آئینہ میرا بھی ہے

ہوں تو میں ہم گردگانِ عشق میں شامل مگر
کوئی چلنا چاہے تو اک راستہ میرا بھی ہے

اُس کا رشتہ خواب سے اور خوف سے اور خاک سے
یوں سمجھ لیجیے کہ وہ بالواسطہ میرا بھی ہے

میں اجڑتا ہوں تمھیں آباد رکھنے کے لیے
تم سمجھتے ہو کہ اس میں فائدہ میرا بھی ہے

ebooksgallery.com

پانچویں درویش کی تو منتظر ہے اور رہ
لیکن اے بزمِ جہاں اک واقعہ میرا بھی ہے

تو نے تو یہ کہہ دیا آنسو بہانا چھوڑ دوں
ناصحا! تیرے لیے اک مشورہ میرا بھی ہے

اس لیے کرتا نہیں مجھ سے بچھڑ جانے کی بات
جانتا ہے خود کو بھی اُس کو پتہ میرا بھی ہے

○

اب محبت نہ فسانہ نہ فسوں ہے یوں ہے
صاحبِ دشت تو کہتا تھا کہ یوں ہے یوں ہے

پسِ گریہ کوئی دیتا ہے تسلی تجھ کو
یہ جو اے دل تجھے بے وجہ سکوں ہے یوں ہے

میرؔ صاحب ہی نہیں اُس سے پرے بیٹھتے ہیں
جو بھی شائستۂ آدابِ جنوں ہے یوں ہے

ebooksgallery.com

زندگی بھر میں کوئی شعر تو ایسا ہوتا
میں بھی کہتا جو مرا زخمِ دروں ہے یوں ہے

نیست میں ہست کا احساس دلاتی ہوئی آنکھ
شور کرتی ہے کہ ہے کن فیکوں ہے یوں ہے

○

کنجِ غزل نہ قیس کا ویرانہ چاہیے
جو غم مجھے ہے اُس کو عزا خانہ چاہیے

ہے جس کا انتظار پلک سے فلک تلک
اب آنا چاہئے اُسے آ جانا چاہیے

یارب! مرے لباس سے ہرگز گماں نہ ہو
لیکن مجھے مزاج فقیرانہ چاہیے

ebooksgallery.com

ملتی نہیں ہے ناؤ تو درویش کی طرح
خود میں اتر کے پار اُتر جانا چاہیے

اے دوست! مجھ سے عشق کی یکسانیت نہ پوچھ
تو بھی کبھی کبھی مجھے بیگانہ چاہیے

○

حجرۂ جاں ہے بے اماں میرے لیے دُعا کرو
شہرِ دُعا کے خواجگاں میرے لیے دُعا کرو

اور ہی کچھ نہ بول دُوں عرضِ ہنر کے شوق میں
میں ہوں کسی کا رازداں میرے لیے دُعا کرو

چاہیے پرورش مجھے نخلِ بزرگ کی طرح
دشت کے سب پرندگاں میرے لیے دُعا کرو

ebooksgallery.com

نشۂ مرگ میں مجھے زور کی نیند آئی ہے
جانے میں گر پڑوں کہاں میرے لیے دعا کرو

زندہ دلانِ شہر کو ایسی ہے بے دلی کہ بس
کہتا ہوں تم سے رفتگاں میرے لیے دعا کرو

○

یافت کے شہر میں نایاب کے مارے ہوئے لوگ
نیند میں چلنے لگے خواب کے مارے ہوئے لوگ

مجھ سے بستر نہیں وہ ناؤ طلب کرتے ہیں
میرے گھر آئے ہیں سیلاب کے مارے ہوئے لوگ

لے لیا یوں ہی سمندر نے خود اپنے ذمے
ورنہ ہم لوگ تھے مہتاب کے مارے ہوئے لوگ

ebooksgallery.com

ہر کوئی اُس کو بہانے سے لپٹنا چاہے
کیا ہوئے وہ ادب آداب کے مارے ہوئے لوگ

اب بھی عشاق سے وہ آنکھ یہی کہتی ہے
تاب لائیں دلِ بے تاب کے مارے ہوئے لوگ

یوں بچایا ہے مجھے مجھ سے خدا نے میرے
سنگ جو ہاتھ میں تھا اب ہے سرہانے میرے

تہمتِ عشق! تجھے اس کا نہیں اندازہ
جو مرا حال کیا ذوقِ فنا نے میرے

یہ نہیں ہے تو بتا اور محبت کیا ہے
تیرے دھوکے میں ہوئے لوگ دوانے میرے

زندگی! میں نے ترا بوجھ اٹھایا ہے بہت
اب ترا سوچ کے تھک جاتے ہیں شانے میرے

دیکھ اس لمحۂ موجود کی ٹہنی کو نہ کاٹ
کل اسی شاخ سے پھوٹیں گے زمانے میرے

ebooksgallery.com

جب نہ کام آئی مرے دستِ ہنر کی کوشش
مرحلے سہل کیے دستِ دُعا نے میرے

میں تو رویا تھا کسی اور کا دل جیتنے کو
میرے مالک کو پسند آئے بہانے میرے

رائیگاں ہونے کا جب ذکر کروں یار سے میں
وہ سناتا ہے مجھے شعر پرانے میرے

میری کوشش تو بہت ہے کہ یہ گھر بچ جائے
اس کی بنیاد میں ہیں دفن خزانے میرے

ہجر کی سالگرہ یاد تھی اس کو تابش
رکھ گیا میر کا دیوان سرہانے میرے

لوگ عزت سے نام لیتے ہیں
رفتگاں میں شمار ہے اپنا

○

طلسمِ ظلمتِ شب کا ازالہ کیا کرتا
پرندے سوئے ہوئے تھے میں نالہ کیا کرتا

خدا کے نام کی پروا نہیں تھی لوگوں کو
یہاں ہمارا تمہارا حوالہ کیا کرتا

وہاں تو آگے ہی لکھے ہوئے تھے نام بہت
فصیلِ شہر کو میں اور کالا کیا کرتا

گلے کا سوچتا ہوں پھر میں یہ بھی سوچتا ہوں
کہ تو بھی میرے دکھوں کا ازالہ کیا کرتا

ebooksgallery.com

نہ کرتا آنکھ سے پیدا جو قلقلِ مینا
تبھی بتاؤ میں خالی پیالہ کیا کرتا

مجھے بھی ضبط نے کی خوش سلیقگی تعلیم
اگر میں چیختا رہتا تو نالہ کیا کرتا

اسے تو دشت سے یا حجرگی سے مطلب تھا
یہ عشق شہر کی رونق دوبالا کیا کرتا

وہ اور لوگ ہیں ناموں کو بیچنے والے
میں سادہ لوح تمہارا حوالہ کیا کرتا

اسی پہ بحث مری چل رہی ہے عشق کے ساتھ
کہ سب سا تھا تو میں سب سے نرالا کیا کرتا

○

تو نے ویسے بھی مرے دل سے نکل جانا تھا
میرے لہجے مری آواز میں ڈھل جانا تھا

تیرے بس میں بھی نہ تھے جو ترے باعث بھی نہ تھے
اُن مسائل کا بھی میں نے تجھے حل جانا تھا

اک مقام ایسا بھی آیا مرے بچھڑے ہوئے دوست
میں نے تجھ کو بھی اُداسی میں خلل جانا تھا

میری حساس طبیعت کا برا ہو جس نے
تیری چپ کو بھی ترا ردِ عمل جانا تھا

ebooksgallery.com

کیوں میں سمجھا تھا تجھے تیرے علاوہ کوئی
کیوں مقدر کو مقدر کا بدل جانا تھا

تیرے ہوتے بھی اکیلا نہیں چھوڑا خود کو
تو نے تو ہاتھ چھڑانا تھا نکل جانا تھا

یوں ہی کب میں نے سواری تھی ترک نوک پلک
میں نے اے دوست! تجھے اپنی غزل جانا تھا

○

اور تو کچھ بھی نہیں گردِ سفر حاضر ہے
مابدولت سے کہو خاک بسر حاضر ہے

وقتِ ناوقت حضوری کا تسلسل ٹوٹا
ایک ہی بار میں دل بارِ دگر حاضر ہے

میں نے سوچا تھا کہ اب رقص اکیلے ہوگا
ایک آواز سی آئی کہ شرر حاضر ہے

مشکِ خالی سے کہو نذر کیے یہ بازو
نوکِ نیزہ سے یہ کہہ دو مرا سر حاضر ہے

ebooksgallery.com

ریت کے واسطے کافی ہے مرے پاؤں کا لمس
تشنگی تیرے لیے دیدۂ تر حاضر ہے

اب تو باہر نکل آ اے مری مرگِ محصور
شاخِ زیتون لیے شہر بدر حاضر ہے

میں ابھی سوچ رہا تھا کہ مدینے جاؤں
مجھ سے قاصد نے کہا ایک خبر حاضر ہے

○

ہر قدم پہ شکار ہے اپنا
سامنا بار بار ہے اپنا

چاہے جس رُخ کمان کھینچیں ہم
تیر اپنے ہی یار ہے اپنا

لوگ عزت سے نام لیتے ہیں
رفتگاں میں شمار ہے اپنا

چاند ہے گنبدِ فلک کا شگاف
یہ شکستہ مزار ہے اپنا

ebooksgallery.com

ہم سے بچ اے جمالِ خوش آثار
مار رکھنا شعار ہے اپنا

کس کو رسوا کریں سرِ بازار
اپنے ذمے اُدھار ہے اپنا

○

زخم مہکے نہ کوئی رنگ طبیعت لائی
زندگی مجھ کو عبث کوئے ملامت لائی

اُس کو مدت سے کوئی قیس نہیں ملتا تھا
میری دہلیز پہ صحرا کو ضرورت لائی

میں سمجھتا تھا کرے گی وہ تمہاری باتیں
خلقتِ شہر کوئی اور شکایت لائی

لوگ رکھنے نہیں دیتے تھے ترے پاؤں پہ سر
بندگی عشق کے مسلک سے اجازت لائی

ebooksgallery.com

میرا مقصد یہاں نظارۂ مہتاب نہیں
اس کھنڈر میں مجھے تعمیر کی حسرت لائی

بے خیالی میں نکل آیا ہوں تیری جانب
کوئی پوچھے تو یہ کہتا ہوں محبت لائی

○

اپنی حالت پہ اگر حالتِ دنیا لکھیں
دیر تک رقص کریں پھر کوئی مصرعہ لکھیں

شاخِ گریہ پہ بھی کھل اٹھیں ترے عارض و لب
ہم غزل زاد اگر تیرا قصیدہ لکھیں

تجھ پہ لکھیں تو خیال اور کہیں جاتا ہے
کیوں نہ اے دوست! تجھے تیرے علاوہ لکھیں

شاہ زادے! ترا کردار بدل دیں سارا
ہم اگر پانچویں درویش کا قصہ لکھیں

ebooksgallery.com

میرا ایمان ہے طوفان نہیں آ سکتا
لوگ ساحل پہ اگر نام تمہارا لکھیں

نقل کرتے ہیں کسی اور کے محبوب کی ہم
کوئی اپنا ہو تو ہم شعر بھی اپنا لکھیں

○

گمانِ بدگمانی کارگر جانے کے موسم میں
محبت کی محبت سے مکر جانے کے موسم میں

مجھے معلوم ہوتا تو کوئی کشتی بنا رکھتا
کہ طوفاں آئے گا دریا اتر جانے کے موسم میں

یہ دستِ کوزہ گر میں کارفرما اور ہے کوئی
وگرنہ کس نے بنتا تھا بکھر جانے کے موسم میں

خدا نے یوں مرے حرفِ تمنا کا بھرم رکھا
تمہیں بھیجا دعائیں بے اثر جانے کے موسم میں

ebooksgallery.com

اجازت مانگتے ہیں اشک تو میں اُن سے کہتا ہوں
مجھے بھی ساتھ لے لینا اُدھر جانے کے موسم میں

مری جانب سے بھی خود پر محبت کی نظر کرنا
کہ میں تو آئینہ ہوں گا سنور جانے کے موسم میں

خود کو پاتا ہوں سرِ بابِ دُعا مشکل کے وقت
مجھ پہ کھلتے ہیں حسینؑ و کربلا مشکل کے وقت

جب نہ اے جانِ جہاں تو ہی مسیحائی کرے
کیا کریں تیرے مریض و مبتلا مشکل کے وقت

تم نے جانا ہے تو جاؤ چھوڑ کر منجدھار بیچ
مجھ سے تو ہوگا نہیں یہ فیصلہ مشکل کے وقت

اس لیے بھی چشم و دل میں کھینچا تانی ختم ہے
ایک ہوتے ہیں فرات و نینوا مشکل کے وقت

ebooksgallery.com

دل تو کہتا ہے اُسے معلوم ہونا چاہیے
درد کہتا ہے کہ آوازہ لگا مشکل کے وقت

آتشِ نمرود میں بھی کھل رہے تھے تازہ پھول
اور میں بھی رقص کی حالت میں تھا مشکل کے وقت

ایسا لگتا تھا کہ بس اب کوئی دم کی بات ہے
مجھ کو ارزانی ہوئی خاکِ شفا مشکل کے وقت

تم عبث کرتے رہے میرے ہیولے کو ہلاک
میں تو بسم اللہ کے گنبد میں تھا مشکل کے وقت

○

یہ جو دل روز کوئی اور کہانی مانگے
کس لیے شرک کرے کیوں ترا ثانی مانگے

مجھ پہ حق سب کا ہے لیکن وہ ہے تجھ سے مشروط
میں ہوں اس کا جو مجھے تیری زبانی مانگے

عشق نے پھینک دیا وقت سے باہر اس کو
ہو مکاں میں تو کوئی نقل مکانی مانگے

کیوں اے دریا! تری غیرت کو گوارا ہوگا
گر مری پیاس مری آنکھ سے پانی مانگے

ebooksgallery.com

قافلہ اشک کا اب روح کے صحرا میں نہیں
اب یہاں ریت ہے اور ریت روانی مانگے

تیرے بھیجے ہوئے پھولوں سے انہیں کیا لینا
ہر کوئی تجھ سے کوئی تجھ سی نشانی مانگے

مو قلم توڑ کے اب سوچ رہا ہوں تابش
نقشِ اوّل نہ کہیں صورتِ ثانی مانگے

○

تسلی دے کے مرا صبر آزمانا مت
میں وضع دارِ ستم ہوں مجھے رُلانا مت

میں سوچ ہی نہیں سکتا کسی کے بارے میں
مری شکست کا باعث مجھے بتانا مت

اب اور ٹوٹنے کا حوصلہ نہیں مجھ میں
جمالِ یار! مجھے آئینہ بنانا مت

ہم اہلِ عشق پلٹنا محال کر دیں گے
ہمارے ساتھ کہیں دو قدم بھی جانا مت

ebooksgallery.com

ترے حساب سے ہم جیرلی ہی اچھے تھے
کہا نہ تھا کہ ہماری سمجھ میں آنا مت

اسی زمین پہ رہنا پسند ہے ہم کو
ہمارے پر بھی نکل آئیں تو اڑانا مت

○

کوئی حل ایسا کہ جس سے مسئلہ قائم رہے
ختم ہو جائے اُداسی اور فضا قائم رہے

دوست کی انگلی پکڑ کر میں پہنچ ہی جاؤں گا
قبلۂ عالم ترا قبلہ نما قائم رہے

اس لیے بھی چاہتا ہوں خیر ترے حسن کی
دوست! تیری شکل میں شانِ خدا قائم رہے

کیا ترا ہو کر یہ ممکن ہے نگاہِ نیم باز!
اس جہاں کو دیکھنے کا زاویہ قائم رہے

ebooksgallery.com

یہ جو مٹی کی طرح ہم کو بٹھا دیتا ہے تو
موسمِ گریہ! ترا یہ سلسلہ قائم رہے

کیا یہ ممکن ہے کہ ہو جاؤں ترے قدموں کی خاک
اور دنیا کے لیے میری انا قائم رہے

یہ مجھے تسلیم مجھ کو شاعری آتی نہیں
جو بھرم سا بن گیا ہے اے خدا قائم رہے

انگلیاں اٹھتی تھیں دریوزہ گری پر کیا کیا
دست کش ہو کے ہوا مجھ کو میسر کیا کیا

باغ میں کیا ہے تمہی دیکھ بتاؤ مجھ کو
شاخِ دل پر تو کھلے ہیں گلِ منظر کیا کیا

صرف اتنا ہے کہ ڈھیری نہیں بن پاتی ہے
ورنہ مٹی کی طرح گرتا ہے مجھ پر کیا کیا

ebooksgallery.com

کیوں کہوں ان سے مرے پاس نہیں ہے کچھ بھی
لوگ کشکول بکف ہیں مرے در پر کیا کیا

کی رسائی میں وہاں دستِ دُعا سے تابش
ورنہ تھے لوگ مرے قد کے برابر کیا کیا

○

حالتِ رنج میں پتھر ہے نہ پتھر تک ہے
ہاتھ میرا سگِ دُنیا کے مقدر تک ہے

خشک پتے کی طرح اس کو جدا مت جانو
میرے چہرے کا یہ موسم مرے اندر تک ہے

اُس کا کیا فائدہ ہم خاک نشیں لوگوں کو
چاند نیچے کو اتر کر بھی صنوبر تک ہے

میرے اندر کوئی درویش یہ کرتا ہے سوال
کیا ترا نام فقط قبر کے پتھر تک ہے

ebooksgallery.com

کیا مرے شہرِ خموشاں کی حدیں پوچھتے ہو
اس کی توسیع میاں عرصۂ محشر تک ہے

اِذن ہوگا تو اڑاؤں گا غبارِ دُنیا
میری دھمال ابھی جسم کے اندر تک ہے

ebooksgallery.com

یہ پاؤں پر ورم آیا نہیں بیٹھے بٹھائے
میں اُس کی جستجو میں بے سفر تھوڑی گیا ہوں

مجھے جو طعنۂ فرماں روائی دے رہے ہیں
انہیں کہیے کہ تکیہ چھوڑ کر تھوڑی گیا ہوں

زیادہ خوش نہیں ہونا بچھڑنے والے لوگو!
اگر زندہ نہیں ویسا تو مر تھوڑی گیا ہوں

تمہارے دل نے دنیا کو بتایا نہیں ورنہ
اسے معلوم تھا میں بے اثر تھوڑی گیا ہوں

○

کیا دیکھتا جہانِ دگر دیکھنے کے بعد
میں آنکھ موند لی ہے اُدھر دیکھنے کے بعد

اپنا خیال آتا ہے اپنی مثال سے
خود کو میں دیکھتا ہوں کھنڈر دیکھنے کے بعد

نکلا تھا میرے ساتھ بڑی دھوم دھام سے
لیکن پلٹ گیا وہ سفر دیکھنے کے بعد

جذبے نے مجھ کو اپنی طرف کھینچ تو لیا
لیکن معاملات ہنر دیکھنے کے بعد

ebooksgallery.com

یہ دیکھنے کو میری طرف دیکھتے ہیں لوگ
میں کیسا لگ رہا ہوں اُدھر دیکھنے کے بعد

کچھ کچھ ترا بھی دخل ہے لیکن سدھارتا!
میں خود شجر بنا ہوں شجر دیکھنے کے بعد

یاروں نے عشق کے لیے فرصت نکال لی
لیکن معاملاتِ دگر دیکھنے کے بعد

○

یہ اشکوں کی روانی کیا کروں میں
غمِ نقل مکانی کیا کروں میں

زمانے ہو گئے ہیں جمع کرتے
اب اتنی رائیگانی کیا کروں میں

محبت اس لیے بھی ترک کر دی
مسلسل بدگمانی کیا کروں میں

ترے قدموں میں جا ملتی نہیں ہے
دلوں پر حکمرانی کیا کروں میں

ebooksgallery.com

ابد آباد غم میری ضرورت
تری دُنیائے فانی کیا کروں میں

ترے ساحل پہ پیاسا مر رہا ہوں
سمندر! تیرا پانی کیا کروں میں

جھگڑنا چاہتا ہوں اس سے لیکن
یہ دل ہے خاندانی کیا کروں میں

ہمیشہ کا نکما اپنی خاطر
تری خاطر بھی جانی کیا کروں میں

کوئی انجام دے آغاز جیسا
کہانی سی کہانی کیا کروں میں

○

کسی کو آنکھ لے بیٹھی کسی کو تل پسند آیا
پسند اپنی جگہ سب کو وہ حسنِ دل پسند آیا

محبت میں محبت کے نئے رستے نکل آئے
ہماری راہ میں جو بھی ہوا حائل پسند آیا

وہ دل مانگے تو دل دیں گے وہ جاں مانگے تو جاں دیں گے
ہمیں بھی زندگی بھر میں کوئی قاتل پسند آیا

وہ آئی ریت میں دھنسنے لگے ہم زور سے ہنسنے
وہ آئی سیپیاں چننے ہمیں ساحل پسند آیا

ebooksgallery.com

○

جلا رہے گا اک دیا بجھے دیوں کے درمیاں
وہ ہاتھ ہاتھ میں رہے گا آندھیوں کے درمیاں

عجب طرح کے لوگ ہیں کہ ٹھیک توڑتے نہیں
مگر یہ مجھ کو ڈھونڈتے ہیں کرچیوں کی طرح

کسی میں اس کے خواب تھے کسی میں اس کے خال وخد
اُسے نہ میں بھلا سکا محبتوں کے درمیاں

مکاں کے پائیں باغ میں سجا جمی تھی یاد کی
میں رات دیر تک رہا گئے ہوؤں کے درمیاں

دو شعر

اب اور کیا ثبوت ہو قحط الرجال کا
اک دوسرے کی ہم کو ضرورت ہے آج کل

اک عرضی پیش کرنی ہے لیکن کہاں کروں
کوئی بتاؤ کس کی حکومت ہے آج کل

ebooksgallery.com

چراغ جل رہا ہے اور جا رہے ہیں چھوڑ کر
یہ کس طرف کے لوگ ہیں مری صفوں کے درمیاں

وہ جس کے انتظار میں ہماری چوتھی پشت ہے
وہ فیصلہ کبھی تو ہوگا ان بڑوں کے درمیاں

○

ملے ہیں آپ تو کیا ہے اگر خدا نہ ملا
ہم اہلِ دل کو برابر ہے سب ملا نہ ملا

بہت ملی ہمیں صحبت اُداس لوگوں کی
ملے نہ میرؔ مگر میرؔ کا زمانہ ملا

کہاں سمجھتے ہیں یہ لوگ نامرادی کو
جسے بھی پوچھیے کہتا ہے کچھ صلہ نہ ملا

اداس ہیں تو ہمارا کوئی قصور نہیں
ہمیں اُدھر سے دلِ خوش معاملہ نہ ملا

ebooksgallery.com

جنوں گزیدوں نے یاں لمبی عمر پائی ہے
یہ اور بات انہیں پل سکون کا نہ ملا

ہمیں تو مہلت یک خواب بھی میسر نہیں
ہم اہلِ عشق کو کتنا غلط زمانہ ملا

لگاتے آگ مگر کم تھی گرمیِ رفتار
کھلاتے پھول مگر ہم کو آبلہ نہ ملا

ہم اس کے دل میں سکونت کے خواب دیکھتے ہیں
کہ جس کے گھر میں پرندوں کو آشیانہ ملا

○

اب سمجھ آیا ہمیں دیر میں آنا دل کا
اتنا آساں نہیں اے یار لگانا دل کا

جسم مسمار کروں گا تو لگے گا مرے ہاتھ
اسی دیوار کے نیچے ہے خزانہ دل کا

تجھ سے مل کر تو ہمیں بھول گیا ہے سب کچھ
ہم بھی کرتے تھے کبھی دل سے نشانہ دل کا

کونجیں نکلی ہیں پہاڑوں کے سفر پر لیکن
رت بدلنے پہ بھی بدلا نہ ٹھکانہ دل کا

ebooksgallery.com

تجھ سے مل کر بھی تجھے ملنے چلا آتا ہوں
بھولتا کب ہے مجھے یاد دلانا دل کا

یاد ہے اب بھی مجھے پھول کا چننا تابش
اور جھولی میں مری ٹوٹ کے آنا دل کا

○

بور اٹھایا آنکھ نے راگ چھڑا ملہار کا
شہنائی کی گونج پہ آنسو نکلا یار کا

پلکوں کے خاشاک پہ تارے جوں افلاک پہ
دیکھا میں نے خاک پہ منظر چشمِ یار کا

دیکھا میں جب دور سے نکلا چاند کھجور سے
صحرا میں یاد آ گیا کوئی سمندر پار کا

چل کے چال چکوری ماریں کھائے زور کی
مانگے چاند چپاتیاں بھوکا تیرے پیار کا

ebooksgallery.com

میں ہوں بھورے کو رتا دل ہے سا میں بھورتا
میں ہوں اپنی ڈار کا دل ہے اپنی ڈار کا

چڑیاں کیسے بولتیں گر ہیں کیسے کھولتیں
پانی میں گر گونجتا عکس رُخِ دلدار کا

سورج کیونکر تاپتا صحرا کیونکر چھاپتا
بھید اگر میں جانتا ان آنکھوں کے پار کا

دل پر دل کا راج ہے کاسہ سر کا تاج ہے
پاتی لیر فقیر کی جب مسند دار کا

کیوں ناں اُس کی چھوٹ ہو مادھو لال حسین پر
شہ بہلول کے ہاتھ میں ہاتھ ہے میرے یار کا

میرا راجستھان سے آتی گر چنیوٹ میں
پاتی وہ چنیوٹ میں رانجھا ساندل بار کا

دیکھ قیامت قامتی پھرتی وہ دل تھامتی
ہوتا ہر اک پیڑ پر دھوکا قدِ یار کا

دیکھ کے اپنی روح میں ہجر بھرے امکان کو
آیا اپنی جان کو یار ہمارے یار کا

حسن کا حیلہ اور ہے عشق وسیلہ اور ہے
وہ تیرا خُبدار ہے میں تیرے خُبدار کا

کیا کہیے کس حال میں جھونکوں کے منہ چومتے
گلیوں گلیوں گھومتے دن گزار بیکار کا

ebooksgallery.com

مجھ ایسے آوارگاں لائے اپنے کام میں
بے چینی کی شام میں اک چکر بازار کا

کرتی تھیں پھلکاریاں دامن پر چنگاریاں
دکھ کا لوہا کوٹتے دن گزرا لوہار کا

بھگدڑ ہے اور سیٹیاں جیسے لکن میٹیاں
اور کہاں تک دیکھئے میلہ چاندی وار کا

چھوڑ کے تلک آباد کو دل دریا کو کوچے
بلھے شاہؒ سے پوچھئے مستی کی منجدھار کا

○

تو نے تو مجھ کو کہیں کا نہ زمانے رکھا
پھر بھی میں ہوں کہ مجھے میرے خدا نے رکھا

رات کمرے میں نہ تھا میرے علاوہ کوئی
میں نے اس خوف سے خنجر نہ سرہانے رکھا

بلی ماراں کے محلے میں کٹی قید حیات
اپنے ہاں غالب آشفتہ نوا نے رکھا

سب کو اک طور جلاتی ہوئی گزری تابش
ہم میں کچھ فرق نہ جنگل کی ہوا نے رکھا

ebooksgallery.com

ہمارے دور کے بیشتر شعرا مختلف محرکات کے تحت شعر گوئی شروع کر دیتے ہیں اور بعض وجوہ کی بنا پر چند ایک کو پذیرائی بھی مل جاتی ہے لیکن جلد ہی اپنے آپ کو دہرانا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ مطالعہ ادب سے بے تعلق ہوتے ہیں۔ عباس تابش البتہ استثنائی حیثیت رکھتے ہیں۔ اردو شاعری کے کلاسیکی اور جدید سرمائے پر ان کی گہری نظر ہے۔ اس وسعت مطالعہ کی وجہ سے فن شعر کے تمام اسرار و رموز ان پر روشن ہیں۔ وہ خیالات کو ذاتی طور پر محسوس کر کے شعر کا جامہ پہناتے ہیں اس لیے ان کی شاعری میں قدیم یا جدید شعراء کے خیالات کی تکرار کہیں موجود نہیں ان کے ہاں انفرادیت اور تازہ کاری جگہ جگہ موجود ہے چنانچہ ان کا کلام گہرے تاثر کا حامل ہے اور گزشتہ چند دہائیوں سے جو شاعری تخلیق ہو رہی ہے اس میں عباس تابش کا مقام بہت بلند ہے۔

خواجہ محمد زکریا

○

تو نے تو مجھ کو کہیں کا نہ زمانے رکھا
پھر بھی میں ہوں کہ مجھے میرے خدا نے رکھا

رات کمرے میں نہ تھا میرے علاوہ کوئی
میں نے اس خوف سے خنجر نہ سرہانے رکھا

بلی ماراں کے محلے میں کٹی قید حیات
اپنے ہاں غالب آشفتہ نوا نے رکھا

سب کو اک طور جلاتی ہوئی گزری تابش
ہم میں کچھ فرق نہ جنگل کی ہوا نے رکھا

ebooksgallery.com